شگفتہ سیریز

4

آپ کے گھر پر

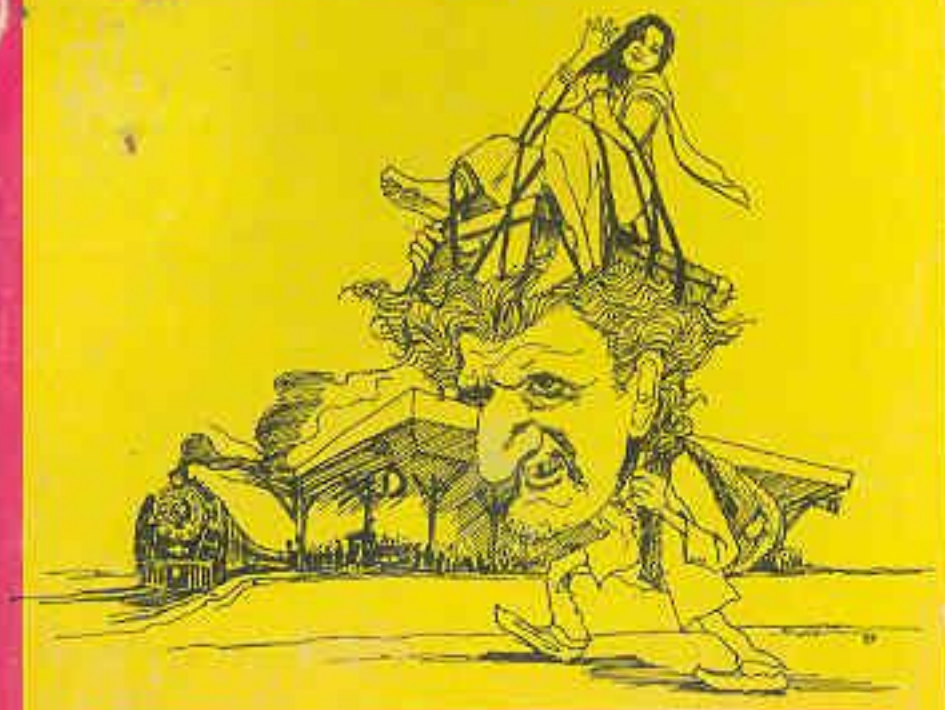

"دو ہولڈال۔ دو ٹرنک۔ ایک سوٹ کیس۔ اور۔ ایک تھیلا۔ ایک لوٹا مع گلاس۔ ٹھیک ہی ہے۔" غوری صاحب قلی کی طرف گھومے۔ "ہاں بھئی کتنے پیسے ہوئے تمہارے حساب میں؟"

"پانچ روپیے۔" قلی نے جواب دیا مگر فوراً ہی چونک کر بولا۔ "بابو جی میرے حساب میں یا آپ کے حساب میں۔؟"

"اوہو بھئی میرا مطلب یہ نہیں تھا۔" غوری صاحب بولے "کیا کروں عادت پڑ گئی ہے تمہارے حساب میں کہنے کی۔ عمر گذر گئی نواب لوٹم پور کی خدمت کرتے۔ بہت بڑی ریاست تھی ہزاروں کاشتکاروں کے لگان اور قرضے وغیرہ کا سارا حساب کتاب میرے ہی ذمے تھا۔ کوئی آتا تو نواب صاحب پوچھتے کہ ہاں غوری صاحب ذرا بتانا اس کا حساب۔ تو بھیا کبھی اس کا حساب تمہارے حساب میں اور کبھی اس کا حساب تمہارے حساب میں دن بھر سینکڑوں کا حساب بتاتے بتاتے

یہ الفاظ زبان پر چڑھ گئے۔ اب چھوڑنا چاہتا ہوں تو چھوڑ نہیں سکتا۔"
قلی ہنسنے لگا۔

"بابوجی پانچ روپیے ہوئے۔" اس نے پھر بتایا۔

غوری صاحب نے ناک پر رکھا ہوا چشمہ سنبھالتے ہوئے جیب سے پانچ روپیہ کا نوٹ نکال کر قلی کے ہاتھ پر رکھا۔ قلی سلام کر کے چلا گیا تو غوری صاحب شبانہ کی طرف متوجہ ہوئے جو سامان ٹھیک سے رکھ رہی تھی۔ کمپارٹمنٹ میں کوئی دوسرا مسافر نہیں تھا۔ غوری صاحب نے کھڑکی کے قریب والی برتھ پسند کی اور چھت پر لگے بجلی کے پنکھے کا رخ برتھ کی جانب کرتے ہوئے اطمینان سے بیٹھ گئے۔

"شکر ہے بیٹی ایک مرحلہ تو طے ہوا تمہارے حساب میں۔" وہ شیروانی کے بٹن کھولتے ہوئے بولے۔ "جب وہ انسپکٹر سوٹ کیس کو الٹ پلٹ کر غور سے دیکھ رہا تھا تو میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔"

"اگر آپ نے مجھے پہلے بتا دیا ہوتا کہ سوٹ کیس میں سونے کی سلاخیں چھپا کر لئے جا رہے ہیں تو میں کبھی ہرگز بھی نہ لانے دیتی۔" شبانہ نے جواب دیا۔ "بتائیے اگر کسی کسٹم والے کو شبہ ہو جائے اور وہ سوٹ کیس کے نیچے لگی ہوئی لکڑیاں توڑ کر دیکھ لے تو ہم کہاں ہوں گے۔ اور پھر آپ کی گھبراہٹ اور بدحواسی۔ خدا ہی ہے

جو خیریت سے مرشد آباد پہنچا دے۔"

"تو پھر تم ہی بتاؤ بیٹی میں اور کیا کرتا۔ زندگی بھر کی کمائی وہیں چھوڑ آتا تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے کچھ ناگواری کے ساتھ کہا۔ "جب حکومتیں جائز قانونی راستے بند کر دیں تو شریف آدمی اسمگلنگ کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے۔ بہرحال ایک مرحلہ تو پار کر لی۔ دعا کرتی رہو کہ وہاں بھی کسی سیدھے سادے کسٹم آفیسر سے واسطہ پڑے۔ خدانخواستہ بھانڈا پھوٹ گیا تو جیل تو ہوگی ہی تمہارے حساب میں مگر زندگی بھر کے لئے پیسے پیسے کو محتاج بھی ہو جائینگے ساری پونجی اس سوٹ کیس میں ہی رکھی ہے۔ جیب میں تو صرف پچاس ساٹھ روپیے پڑے ہوئے ہیں تمہارے حساب میں۔"

شبانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سامان ایک طرف رکھتی ہوئی وہ بھی اسی برتھ پر بیٹھ گئی۔ اتنی دیر میں کچھ دوسرے مسافر بھی سرحدی کسٹم چوکی سے فارغ ہو کر کمپارٹمنٹ میں آنا شروع ہو گئے تھے۔ شبانہ نے برقعہ کا نقاب چہرے پر ڈال لیا اور کھڑکی کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئی۔ غوری صاحب نے سیاہ رنگ کے سوٹ کیس پر کہنی ٹکاتے ہوئے تھیلے سے ایک ناول نکالا اور مطالعہ میں مصروف ہو گئے جلد ہی کمپارٹمنٹ کی چاروں برتھ مسافروں سے بھر گئیں۔ شبانہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے کوئی مسافر ابھی تک غوری صاحب کی برتھ پر نہیں آیا تھا۔ کتاب پڑھتے پڑھتے انھوں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولا

مگر شاید جس چیز کی تلاش تھی وہ نہیں ملی تو ناک کی پھننگی پر رکھے ہوئے چشمے سے شبانہ کی طرف دیکھا۔

"بیٹی ایک چاکلیٹ تو نکال دو۔" انھوں نے کہا۔

"میں نے تو اسٹیشن پر ہی آپ کو بتا دیا تھا کہ پیکٹ خالی ہو" شبانہ نے جواب دیا۔

"دیکھ تو لو شاید کوئی پڑی رہ گئی ہو۔"

"نہیں تھی نا۔ پیکٹ بھی میں نے پھینک دیا ہے۔" شبانہ بولی "اور خدا کے لئے ابو یہاں ڈبے میں کسی مسافر سے مٹھائی مانگنے یا چرا کی کوشش مت کیجئے گا۔ دو تین گھنٹے کی بات اور رہ گئی ہے۔ مرشد پہنچ کر پیکٹ خرید لیں گے۔"

"لاحول ولا قوۃ بیٹی اب اتنا ندیدہ بھی نہیں ہوں کہ مسافروں کے آگے ہاتھ پھیلانے لگوں تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے کہا اور دوبارہ ناول کے مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔ مگر انداز یہ تھا کہ پڑھنے میں دل نہیں لگ رہا ہے۔ بار بار پہلو بدل کر ادھر دیکھنے لگتے۔

اچانک کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا اور ایک نوجوان ہاتھ میں ایک ٹوکری سی لٹکائے اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے قلی سر پر ہولڈال اور سوٹ کیس اٹھائے آ رہا تھا۔ اس نے سرسری نگاہ سے ڈبے کا جائزہ لیا۔ غوری صاحب نے غور سے ٹوکری کی طرف دیکھا جس سے

کر کچھ سونگھنے کی کوشش کی۔

"اسی طرف آ جاؤ برخوردار۔" انھوں نے اپنی برتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ایک آدمی کی گنجائش تو نکل ہی آئے گی تمہارے حساب میں۔"

"شکریہ۔" نوجوان نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ "قلی سامان اس طرف رکھ دو۔"

قلی نے ہولڈال اور سوٹ کیس برتھ کے اوپر رکھ دیئے۔ نوجوان نے اسے مزدوری دی اور جیب سے ایک قیمتی سگرٹ کیس نکال کر کھولتے ہوئے غوری صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ غوری صاحب نے سر کو نفی میں جنبش دی۔ ان کی نظریں ٹوکری پر جمی ہوئی تھیں جسے نوجوان نے برتھ پر رکھ دیا تھا۔ اتنے میں نہ جانے کہاں سے ایک مکھی نے آ کر ٹوکری پر بھنبھنانا شروع کر دیا۔ غوری صاحب کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"معلوم ہوتا ہے برخوردار۔" وہ منہ چلاتے ہوئے بولے "اس ٹوکری میں مٹھائی لئے جا رہے ہو تمہارے حساب میں۔"

"جی ہاں۔" نوجوان نے سگرٹ سلگا کر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "قندیلے کے لڈو ہیں۔"

"اتنے بہت سے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پوری دکان خرید لائے ہو تمہارے حساب میں۔"

"میرے حساب میں تو ایک بھی نہیں آئے گا۔" نوجوان مسکرایا

"یہ تو دوستوں کی فرمائش کی تعمیل کر رہا ہوں ورنہ مجھے مٹھائی سے کچھ زیادہ رغبت نہیں ہے۔"

"میرے خیال میں پانچ دس تو ضرور ہوں گے۔" غوری صاحب ناول پڑھنا بالکل بھول چکے تھے۔

"ابو" شبانہ نے ٹوکا۔

"اُنوہ بھئی میں مانگ تھوڑی رہا ہوں۔" غوری صاحب نے بیٹی کی طرف دیکھا۔ "سفر میں ایک دوسرے کا حال احوال پوچھ ہی لیا کرتے ہیں۔"

نوجوان مسکرانے لگا۔ اس نے ٹوکری اٹھا کر اپنے اور غوری صاحب کے درمیان رکھ دی۔

"بلا تکلف نوش فرمایئے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ دس سیر لڈو ہیں۔ پانچ چھ کم ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"اب دیکھ لو۔" غوری صاحب شبانہ سے بولے۔ "میں نے ایک لفظ نہیں کہا ہے۔ یہ خود ہی دعوت دے رہے ہیں۔"

شبانہ نے کھسیا کر منہ دوسری طرف کر لیا۔

"کہاں جا رہے ہو برخوردار۔" غوری صاحب نوجوان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"میرا سفر تو بڑا لمبا ہے۔ دولت آباد تک جا رہا ہوں۔"

"اچھا! ہم لوگ تو تمہارے حساب میں مرشد آباد جائیں گے۔

نام کیا ہے تمہارا۔"

"مجھے قربان علی کہتے ہیں۔ اور آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟"

"یہ ناچیز محمد خاں غوری کہلاتا ہے۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔ "تو کیا سچ مچ کھا لوں تمہارے حساب میں۔"

"ہاں۔ ہاں۔ لیجئے نا۔" نوجوان نے ٹوکری پر ڈھکے ہوئے رومال کا ایک کونہ اٹھا دیا۔ "مرشد آباد میں آپ کس جگہ جائیں گے؟"

"کچہری روڈ پر ٹھیکیدار وزیر احمد خاں کے گھر۔" غوری صاحب نے بلا تکلف ٹوکری سے ایک لڈو نکالا۔ کن انکھیوں سے شبانہ کی طرف دیکھا اور دوسرے لمحہ لڈو ان کے منہ میں تھا۔

ٹرین کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور وہ آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔

"سبحان اللہ۔" غوری صاحب لڈو بھرے ہوئے منہ سے بولے "قند ملے کے لڈوؤں کی کیا بات ہے۔ پیٹ بھر جائے نیت نہیں بھرتی"

"اور لے لیجئے۔" قربان علی نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے آپ کو مٹھائی بہت پسند ہے۔"

"بس زندگی میں دو ہی تو شوق ہیں۔" غوری صاحب نے ٹوکری سے دو لڈو ایک ساتھ نکالتے ہوئے جواب دیا۔ "ایک ناول پڑھنا اور دوسرے چاکلیٹ کھانا۔ گھر سے تین پیکٹ لے کر چلا تھا تمہارے حساب میں۔ یہاں پہنچتے پہنچتے سب ختم ہو گئے۔"

"ناول کون سے پڑھتے ہیں آپ۔؟"

"ہر قسم کے۔" غوری صاحب جلدی جلدی لڈو نگلتے ہوئے بولے "رومانی، تاریخی، اسلامی، جاسوسی۔ جو بھی ہاتھ لگ جائے بغیر ختم کیے نہیں چھوڑتا۔ یوں جاسوسی ناول زیادہ پسند کرتا ہوں۔"

وہ دونوں لڈو بھی بہت جلد پیٹ کو پیارے ہو گئے مگر غوری صاحب کی نظریں اب بھی ٹوکری پر جمی ہوئی تھیں۔

"آپ تو تکلف کر رہے ہیں۔ اور لیجئے نا۔"

"نہیں بھئی بس۔ تم دوستوں کے لئے لے جا رہے ہو۔ وہاں کم پڑ جائیں گے تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے اوپری دل سے کہا "فکر نہ کریں ہفتہ عشرہ میں والد صاحب بھی آنے والے ہیں۔ انہیں لکھ دوں گا وہ اور لیتے آئیں گے۔"

"اب تم مجبور کر رہے ہو تو لینا ہی پڑے گا۔" غوری صاحب جیسے بادل ناخواستہ بولے۔ "مگر دو سے زیادہ نہیں لوں گا۔"

دو لڈو اور نکال کر غوری صاحب یوں بیٹھ گئے جیسے واقعی دل بھر گیا ہو۔ ناول جو اٹھا کر برتھ پر رکھ دیا گیا تھا پھر اٹھا لیا گیا اور مطالعہ شروع ہو گیا۔ ٹرین پوری رفتار سے بھاگی چلی جا رہی تھی۔ تقریباً دس منٹ کے بعد قربان علی اپنی جگہ سے اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلا۔ غوری صاحب نے ناول پڑھتے چشمے کے پیچھے سے جھانک کر دیکھا۔ شبانہ کھڑکی سے سر نکالے باہر دیکھ رہی تھی۔ غوری صاحب نے اپنا تھیلا جس میں وہ چاکلیٹ کے پیکٹ، دو چار کتابیں، پانوں

کی ڈبیا اور بٹوہ اور اسی طرح کی متفرق چیزیں رکھتے تھے۔ ہاتھ بڑھا کر قریب کر لیا۔ قربان علی نے باتھ روم میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور غوری صاحب کا الٹا ہاتھ صفائی سے ٹوکری کی طرف رینگ گیا۔ ایک ایک دو دو کر کے دس پندرہ لڈو ٹوکری سے تھیلے میں منتقل ہو گئے۔

قربان علی واپس آیا تو غوری صاحب بڑے انہماک سے ناول پڑھ رہے تھے۔

گل میر کی سرحدی کسٹم چوکی کے پلیٹ فارم پر ٹہلتے ہوئے انجم نے دور سے دھواں اڑاتے ہوئے انجن کو آؤٹر سگنل پار کرتے دیکھا اور اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ تین بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ شکر ہے کہ آج ٹرین رائٹ ٹائم تھی۔ ورنہ کبھی کبھی تو آنند پور والے شام کے چھ بجا دیا کرتے تھے۔ اگر ساڑھے تین بجے بھی چیکنگ شروع ہو جائے تو انجم کو امید تھی کہ وہ شام کا پہلا شو دیکھنے کے لئے وہ اور سعید چھ بجے تک ضرور فارغ ہو جائیں گے۔

دیو پیکر انجن نے پلیٹ فارم کی طرف بڑھتے ہوئے ایک تیز سیٹی سے اپنی آمد کا اعلان کیا۔ انجم وہیں کھڑا رہا۔ وہ جس میز پر سعید کے ساتھ چیکنگ کرتا تھا زیادہ دور نہیں تھی اور ابھی تو

مسافروں کو اترنا تھا۔ اپنے پاسپورٹ اور ویزا جمع کرانا تھے
پرچی لے کر سامان اٹھوا کر متعلقہ میز کے سامنے رکھنا تھا۔ پندرہ بیس
منٹ تو اس کارروائی میں لگ ہی جاتے ہیں۔ ڈبے ایک ایک
کر کے انجم کے سامنے سے گذرتے رہے۔ آج کچھ زیادہ رش نہیں
ہے۔ اس نے دل میں کہا۔ اور واپس ہونے کے لیے گھوم رہا تھا کہ
اچانک اس کی نظر آخری کمپارٹمنٹ کی ایک کھڑکی پر پڑی۔ کوئی بیحد
حسین لڑکی کھڑکی سے باہر منہ نکالے جھانک رہی تھی۔ انجم نے دیکھا
اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ اتنی دلکش اور جاذب نگاہ لڑکی اس نے اب
تک کوئی نہیں دیکھی تھی۔ ڈبہ قریب سے گذرا۔ لڑکی نے اپنی بڑی
بڑی نیلی جھیل جیسی آنکھوں سے انجم کی طرف دیکھا۔ ایک لمحہ کے لیے
دونوں کی نظریں ملیں۔ انجم کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بجلی سی کوند
ہوئی اس کی نگاہوں کو خیرہ کر گئی ہو۔ ڈبہ دور چلا گیا مگر لڑکی اب بھی
گھوم کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

کمپارٹمنٹ پلیٹ فارم پر بنی ہوئی دیوار کے پیچھے غائب ہو
تو بھی انجم ٹکٹکی باندھے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے کچھ دیر پہلے کا منظر
فضا میں مجسم ہو کر رہ گیا ہو۔ پتہ نہیں وہ کتنی دیر تک یونہی کھڑا رہا
کہ مسافروں اور قلیوں کے ملے جلے شور نے اسے چونکا دیا۔ پلیٹ
کا اتنا حصہ جس میں پوری ٹرین بہ آسانی کھڑی ہو سکتی تھی پتھر کی
دیواروں اور لوہے کے جنگلوں سے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ انجم

پر کودے بغیر پلیٹ فارم کے اس حصے کی طرف نہیں جا سکتا تھا جہاں
ٹرین کھڑی تھی۔ دوسرا راستہ لوہے کے گیٹ سے تھا۔ مگر اسطرح
انجم کو چیکنگ شیڈ سے گذرنا پڑتا جہاں سعید اس کے انتظار میں بور
ہو رہا ہوگا۔ انجم نے جھکتے ہوئے ایک ہاتھ پلیٹ فارم پر رکھا اور
نیچے کود گیا۔

دوسری طرف پلیٹ فارم پر ٹرین کے تمام مسافر نہ صرف اتر
چکے تھے بلکہ ان میں سے بہت سے قلیوں کے سر پر اپنا اپنا سامان
رکھ کر چیکنگ شیڈ کی طرف بھی چل دیئے تھے۔ انجم کے لیے یہ اندازہ
لگانا تقریباً ناممکن تھا کہ آخری ڈبے سے اترنے والے لوگ کونسے
ہیں۔ اس نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام مسافروں
کو گھور گھور کر دیکھا۔ خواتین میں بے پردہ بھی تھیں اور برقعہ پوش بھی مگر وہ
چہرہ جس کی کشش اسے یہاں کھینچ لائی تھی ان میں کہیں نظر نہیں آئی تھی
پانچ منٹ کی ناکام تلاش کے بعد وہ اندرونی گیٹ سے گذرتا ہوا اپنی
میز کی طرف بڑھ گیا۔

سعید حسب عادت منہ میں ایک طرف سگرٹ دبائے بڑے
بور انداز میں میز کے کنارے پر بیٹھا تھا۔ ابھی اس میز پر کوئی مسافر نہیں
آیا تھا۔

"میں سب دیکھ رہا تھا مولانا۔" سعید نے سگرٹ کے اٹھتے ہوئے
دھوئیں میں آنکھیں چندھیاتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ پلیٹ فارم پر کیا کرنے

گئے تھے۔؟"

"ایک شناسا چہرہ دکھائی دیا تھا۔" انجم نے ٹالتے ہوئے جواب دیا۔

"میرے ایک عزیز آنے والے ہیں۔ میں سمجھا وہ ہی آ گئے۔ دیکھنے گیا تھا۔"

"عزیز یا عزیزہ۔" سعید نے شوخی سے پوچھا۔

"معاف کیجئے میں آپ کی طرح لڑکیوں کے پیچھے دم ہلاتا نہیں پھرتا۔"

"صاحبزادے! دم ہلانا بھی ایک آرٹ ہے۔" سعید بولا۔ "کچھ لوگ دم ہلاتے ہیں فقیر کے ہاتھ کی طرح۔ جیسے خیرات مانگ رہے ہوں اور کچھ لوگ مثال کے طور پر تمہارا یہ خادم اس طرح دم ہلاتے ہیں جیسے سرکس میں رنگ ماسٹر چابک گھماتا ہے۔ ہلکی سی جنبش پر بڑی بڑی شیرنیاں پتے کی طرح کانپنے لگتی ہیں۔"

"گویا تمہارا دم دار جانور ہونا بہر حال طے ہے۔" انجم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اور پھر ایک چشمہ زدہ بزرگ کو مع ایک برقعہ پوش خاتون کے اپنی میز کی طرف آتے ہوئے دیکھ کر بولا۔ "ہوشیار! ایک شیرنی اپنے رنگ ماسٹر کے ساتھ آ رہی ہے۔"

"مجھے کٹہرے میں بند شیرنیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" سعید نے زیر لب آہستہ سے کہا۔

"ٹیبل نمبر پانچ یہ ہی ہے۔" غوری صاحب نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں۔" سعید نے ہاتھ بڑھا کر ان سے پاسپورٹ اور ویزا

لے لیا۔ قلی نے دونوں ہولڈال، ٹرنک اور سوٹ کیس میز کے پاس رکھ دیئے۔

پہلے دونوں ٹرنک اور پھر ہولڈال کھلوا کر دیکھے گئے۔

"اس میں کیا ہے۔؟" سعید نے ٹوکری کی طرف اشارہ کیا۔ انجم ہولڈال پر چاک سے دستخط کر رہا تھا۔

"قندھیلے کے لڈو ہیں۔" غوری صاحب نے بتایا۔

"اتنے۔" سعید نے کچھ تعجب سے پوچھا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہیں برخوردار۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔ "گھر سے ایسی ایسی تین ٹوکریاں لے کر چلا تھا تمہارے حساب میں۔"

"اچھا۔" سعید نے حیرت ظاہر کی۔ "باقی دو کہاں گئیں؟"

"راستہ میں خرچ ہو گئیں۔"

"یہ تو بڑی زیادتی ہے قبلہ۔" سعید نے کہا۔ "ہر چند میری آپ سے پہلے کی کوئی واقفیت نہیں لیکن جب آپ تین ٹوکری قندھیلے کے لڈو میرے حساب میں لائے تھے تو دو ٹوکری خرچ کیوں کر لیے۔ بہر حال ایک ٹوکری ہی سہی۔ تو پھر اجازت ہے۔؟"

اس نے ٹوکری اٹھا کر اپنی طرف رکھنا چاہی۔

"یہ کیا کر رہے ہو۔" غوری صاحب نے ٹوکری پکڑ لی۔ "لڈو کہاں لئے جا رہے ہو تمہارے حساب میں۔"

"جی ہاں اپنے حساب میں ہی لئے جا رہا ہوں۔"

"برخوردار تمہارے حساب میں میرا تکیہ کلام ہے۔" غوری صاحب
نے جواب دیا۔ "اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں اپنے شوق کی ایک
چیز لاؤں اور تم اس پر اپنی نیت خراب کرنے لگو تمہارے حساب میں۔"
"لاحول ولاقوۃ" سعید نے برا سا منہ بناتے ہوئے ٹوکری چھوڑ دی

انجم نے ایک قہقہہ لگایا۔
"یوں ایک آدھ لڈو کھانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا
تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے ٹوکری اپنے قبضہ میں
کرتے ہوئے کہا۔
"آپ کا تکیہ کلام بھی خوب ہے آپ کے سر پر۔" مجھے بھی مٹھائی
کا بہت شوق ہے۔ اس وقت آپ نہ روکتے تو وہ بڑھ بڑھ کر ہاتھ
مارتا آپ کے سر پر کہ سارے لڈوؤں کا صفایا ہو جاتا۔"
"میرا مذاق اڑا رہے ہو۔" غوری صاحب نے خفگی سے کہا۔
"لاحول ولاقوۃ آپ کے سر پر۔" سعید نے جلدی سے کانوں کو
ہاتھ لگایا۔ میری یہ مجال کہ آپ جیسے بزرگوں کا مذاق اڑاؤں۔"
"پھر یہ آپ کے سر پر کیا ہے تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب
بڑے غصہ میں بولے۔
"قبلہ یہ میرا تکیہ کلام ہے۔" سعید نے بڑی سادگی سے جواب دیا
"کیا بتاؤں بہت چھوڑنا چاہتا ہوں۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ جب تکیہ کلام
کی عادت پڑ جائے تو چھوٹنا مشکل ہے۔ بہرحال جب آپ نے لڈو کھانے

کی دعوت دی ہے تو میں ضرور منہ میٹھا کروں گا آپ کے سر پر۔"
اس نے ٹوکری میں ہاتھ ڈال کر ادھر ادھر ٹٹولا اور ذرا نیچے
سے دو لڈو نکال لئے۔ شبانہ ایک طرف خاموش کھڑی ہوئی تھی۔
انجم سعید کے اس فی البدیہہ تکیہ کلام پر بڑی مشکل سے ہنسی ضبط
کرتے ہوئے خود کو سنجیدہ ظاہر کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔
"لو انجم بھائی ایک لڈو تم بھی کھاؤ۔" سعید نے ایک لڈو اسکی
طرف بڑھا دیا۔
لڈو خاصے بڑے تھے۔ کم سے کم چھٹانک بھر کا ایک ضرور ہوگا
سعید نے آدھا لڈو دانتوں سے توڑا۔ اور ایک ہی بار منہ چلایا ہوگا
کہ کچھ اس طرح کی آواز نکلی جیسے دانتوں کے نیچے کنکر وغیرہ آجائے
اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ظاہر ہوئے جلدی سے اس
نے کھایا ہوا لڈو ہاتھ میں اگل دیا۔ ایک لمحہ کے لئے اسے۔۔۔
دیکھتا رہا۔ چند قدم کے فاصلے پر پانی کا نلکا لگا ہوا تھا۔ اس نے
نلکے سے ہاتھ دھویا اور جب واپس لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ڈھائی
تولہ کا ایک سنہری ڈھیلا سا چمک رہا تھا۔
"کیوں قبلہ یہ کیا ہے آپ کے سر پر۔" اس نے بڑے طنزیہ
لہجہ میں سونے کا ڈھیلا دکھاتے ہوئے پوچھا۔ اتنی دیر میں انجم بھی
اپنے لڈو کو توڑ چکا تھا۔ اور اسی جسامت کا ایک اور ڈھیلا
اس میں بھی رکھا ہوا تھا۔ غوری صاحب اتنے بیوقوف نہیں تھے

کہ انہیں پہچان نہ سکتے۔ وہ بڑی حیرت زدہ کیفیت میں آنکھیں پھاڑے سونے کے ڈھیلوں کو دیکھ رہے تھے۔

"میرے خیال میں یہاں بھیڑ جمع کرنے کے بجائے ان لوگوں کو کمرے میں لے جایا جائے۔" انجم نے آہستہ سے کہا۔

سعید نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک قلی کو سامان اٹھانے کا اشارہ کیا۔ مشتبہ مسافروں کی چیکنگ کے لئے تین چار چھوٹے چھوٹے کمرے علیحدہ بنے ہوئے تھے۔ غوری صاحب اور شبانہ ڈری سہمی حالت میں قلی کے پیچھے چلتے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہوئے۔

سامان رکھوا کر سعید نے قلی کو باہر بھیج دیا۔

"محترم صورت سے تو آپ بڑے شریف دکھائی دے رہے ہیں۔" انجم نے کہا۔ "سچ بتایئے اور کتنا سونا آپ نے کہاں کہاں چھپا رکھا ہے۔؟"

غوری صاحب خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پھٹی پھٹی نظروں سے سعید کو دیکھ رہے تھے جس نے پوری ٹوکری کے لڈو فرش پر الٹ دیئے تھے اور انہیں توڑ توڑ کر سونے کے ڈھیلے نکال رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں چالیس کے قریب ڈھیلے نکالے جا چکے تھے۔ ایک مرتبہ پھر تمام سامان کی چیکنگ کی گئی۔ ہولڈال جگہ جگہ سے ادھیڑ کر دیکھے گئے۔ ٹرنک میں لگی ہوئی پٹیاں کھول دی گئیں۔ سوٹ کیس کی باری بھی آئی اور اس کے نیچے لگی ہوئی دو لکڑیوں سے سونے کی

دو بھاری سلاخیں جن میں سے ہر ایک کا وزن پاؤ بھر کے قریب تھا۔ برآمد کی گئیں۔

"خدا کی قسم برخوردار۔" غوری صاحب کہہ رہے تھے۔ "نہ یہ ٹوکری ہماری ہے اور نہ یہ سوٹ کیس۔ یہ ٹرین میں قربان علی نامی ایک نوجوان نے ہمیں دی تھیں تمہارے حساب میں۔ کہہ رہا تھا کہ میرے پاس سامان زیادہ ہے اور اکیلا سفر کر رہا ہوں۔ یہاں قلی موقع پا کر چیزیں غائب کر دیا کرتے ہیں۔ یہ ٹوکری اور سوٹ کیس آپ سنبھال لیں تو بڑا ممنون ہوں گا۔ مرشد آباد کے اسٹیشن پر لے لوں گا۔"

"مگر آپ تو کہہ رہے تھے کہ لڈوؤں کی تین ٹوکریاں گھر سے لیکر چلے تھے۔" انجم نے سخت لہجہ میں کہا۔

"وہ میں نے یونہی جھوٹ کہہ دیا تھا تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب سر جھکا کر بولے۔

"کسی لیڈی انسپکٹر کو بلاؤ۔ ان محترمہ کی تلاشی بھی لینا ضروری ہے۔" انجم نے سعید سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

شبانہ جو ایک کرسی پر بیٹھی زار و قطار رو رہی تھی جلدی سے گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"خدا کے لئے رحم کیجئے انسپکٹر صاحب۔" اس نے انجم کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "ہم شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان دو چیزوں کے علاوہ ہمارے پاس کوئی خلاف قانون چیز نہیں ہے۔

میرے ابو کو مٹھائی بہت پسند ہے۔ ہر وقت چاکلیٹ کھاتے رہتے ہیں۔ سفر کے دوران چاکلیٹ کا پیکیٹ ختم ہو گیا تھا لڑکوں کے لالچ میں انھوں نے اس شخص سے ٹوکری لے لی۔ خدا گواہ ہے کہ ہمیں بالکل نہیں معلوم تھا کہ وہ اس طرح سونا اسمگل کر کے لئے جا رہا ہے۔"

انجم نے وہ خوبصورت نازک ہاتھ اس بے بسی کے انداز میں اپنے سامنے پھیلے دیکھے۔ بھرائی ہوئی ہونے کے باوجود شبانہ کی آواز کسی دلکش سریلے نغمے کی طرح اس کے کانوں میں رس گھولتی چلی گئی۔ اسے شبہ ہوا کہ جس چاند کو اس نے کمپارٹمنٹ کی کھڑکی سے طلوع ہوتے دیکھا تھا وہ کہیں برقعہ کی سیاہ بدلی میں چھپا ہوا اس کے سامنے تو موجود نہیں ہے۔

"مجھے افسوس ہے خاتون۔" وہ نرم لہجہ میں بولا۔ "مگر ان حالات میں آپ کی اور آپ کے والد کی تلاشی لینا ہمارے لئے ناگزیر ہے اس کے بعد اگر آپ لوگ یہ ثابت کر دیں کہ یہ دو چیزیں واقعی کسی دوسرے شخص نے دھوکے سے آپ کے سپرد کر دی تھیں تب آپ کو سرحد پار کرنے کی اجازت دے دی جائے گی ورنہ دوسری صورت میں۔۔۔"

"یقین کرو برخوردار ہم بالکل بے قصور ہیں تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب جلدی سے بات کاٹتے ہوئے بولے۔ "یہ لڈو اور سوٹ کیس دونوں تم لے لو۔ اور ہمیں چھوڑ دو۔ جب تک زندہ رہیں گے دعائیں

دیتے رہیں گے تمہارے حساب میں۔"

"قبلہ اب جیل جا کر دعائیں دیجئے گا۔" سعید مسکرایا۔

"میں غوری صاحب کو دوسرے کمرے میں لئے جاتا ہوں۔" انجم نے سعید سے کہا۔ "جاتے ہوئے مسز رحمان کو بھیج دوں گا وہ ان کی صاحبزادی کی تلاشی لے لیں گی۔"

وہ غوری صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔

"آیئے جناب۔"

اب یہ اتفاق ہی تھا کہ انجم، غوری صاحب کو ساتھ لے کر جس کمرے میں پہنچا وہاں قربان علی کے سامان کی تلاشی لی جا رہی تھی۔ غوری صاحب اسے دیکھتے ہی اچھل پڑے۔

"برخوردار انسپکٹر صاحب۔" وہ جوش سے انجم کا بازو پکڑ کر بولے "یہ ہی ہے وہ بدمعاش قربان علی تمہارے حساب میں۔"

قربان علی نے چونک کر غوری صاحب کی طرف دیکھا اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ انسپکٹر مجید جو اس کے سامان کی تلاشی لے رہا تھا اب تک کوئی مشتبہ چیز برآمد نہیں کر سکا تھا۔

"کیا معاملہ ہے مجید صاحب۔" انجم نے پوچھا۔

"ہمیں ابھی ابھی ایک خفیہ اطلاع ملی تھی کہ قربان علی نام کا ایک شخص آج سونے کی بھاری مقدار اسمگل کر کے لئے جا رہا ہے۔" مجید نے جواب دیا۔ "میں ان حضرت کو پکڑ کر یہاں لے آیا۔ مگر ابھی تک

تو کوئی قابلِ اعتراض چیز ملی نہیں ہے۔ یہ صاحب کیا کہہ رہے ہیں۔؟"

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔" انجم نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "کہ اس شخص نے وہ چیزیں جن میں سونا چھپا ہوا تھا مختلف مسافروں میں کسی نہ کسی بہانے سے تقسیم کر دی ہیں کہ مرشد آباد کے اسٹیشن پر واپس لے لے گا میں سمجھتا ہوں اگر اس سلسلہ میں دوسرے لوگوں سے معلوم کیا جائے تو ثبوت بھی مل جائے گا اور مال بھی۔"

اور واقعی تین مسافر مزید ایسے مل گئے جنہیں قربان علی نے مختلف اشیاء سپرد کر دی تھیں۔ سونے کی مجموعی مقدار دس سیر سے بھی زیادہ ثابت ہوئی۔ قربان علی کو فوراً حراست میں لے کر پولیس ہیڈ کوارٹر بھیج دیا گیا تمام مسافروں کے بیانات ہی نہیں ان کے پتے وغیرہ بھی نوٹ کئے گئے تاکہ بعد میں اگر ضرورت ہو تو عدالت میں گواہی کے لئے بلایا جا سکے خدا خدا کر کے غوری صاحب کی بھی جان چھوٹی۔ اگرچہ قربان علی نے انہیں صرف لڈوؤں کی ٹوکری ہی دی تھی مگر جب سوٹ کیس سے خود ان کا سونا بھی برآمد ہو گیا تو غوری صاحب نے اسے بھی قربان علی کے سر منڈھنے میں ہی اپنی خیریت سمجھی تھی۔

"خدا کا شکر ادا کیجئے قبلہ۔" سعید نے ان کا پاسپورٹ اور ویزا واپس کرتے ہوئے کہا۔ "کہ وہ اسمگلر پکڑ لیا گیا آپ کے سر پر ورنہ اس وقت ٹرین کے بجائے آپ جیل جانے کی تیاری کر رہے ہوتے۔"

"سچ کہتے ہو برخوردار۔" غوری صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس بھر

"آج کا تجربہ زندگی بھر یاد رہے گا تمہارے حساب میں۔"

وہ شبانہ کی طرف گھومے۔ "چلو بیٹی! یہ پریشانی بھی قسمت میں لکھی تھی۔"

انہوں نے ایک اور ٹھنڈی سانس بھری اور آگے بڑھ گئے۔ قلی سامان لے کر پہلے ہی جا چکا تھا۔

"میں ابھی آ رہا ہوں۔" انجم نے سعید سے کہا اور پلیٹ فارم کی طرف چل دیا۔ اس کی نظریں شبانہ کے تعاقب میں لگی ہوئی تھیں۔ قلی ایک ڈبہ میں چڑھ گیا۔ اس کے پیچھے غوری صاحب اور شبانہ بھی اندر آ گئے۔ ایک منٹ بعد انجم نے کھڑکی کے قریب شبانہ اور غوری صاحب کو بیٹھتے دیکھا۔ اسے امید تھی کہ شاید کمپارٹمنٹ میں پہنچنے کے بعد شبانہ پہلے کی طرح اپنی نقاب الٹ دے اور وہ اپنے دل کو یقین دلا سکے کہ اس نے پہلے بھی اسی کو دیکھا تھا مگر شبانہ تو نقاب ڈالے ہی بیٹھی رہی۔ انجم ڈبے کے سامنے ادھر سے ادھر ٹہلتا رہا۔ تمام مسافر دوبارہ ٹرین میں سوار ہو چکے تھے۔ ٹرین مرشد آباد کے لئے روانہ ہونے ہی والی تھی۔ جو سرحدی شہر تھا اور کسٹم پوسٹ سے صرف دس میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ دوسرے مقامات کو جانے والے وہاں اتر کر دوسری ٹرینوں میں سوار ہوا کرتے تھے۔ اچانک انجم نے شبانہ کو اپنی سیٹ سے اٹھتے دیکھا۔ پتہ نہیں کہ وہ کوئی چیز نکالنے اٹھی تھی یا ٹوائلٹ میں جانے کے لئے۔ مگر تقریباً وہ فوراً ہی دوبارہ بیٹھ گئی۔ غوری صاحب اس سے مخاطب ہو کر کچھ کہنے لگے اور پھر اچانک ہی باتیں کرتے ہوئے

شبانہ نے برقعہ کی نقاب الٹ دی۔

انجم کو ایک دھکا سا لگا۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ یہ بدصورت چہرہ چھوٹی چھوٹی گول آنکھیں۔ پھولی ہوئی ناک۔ موٹے موٹے اور نیچے لٹکے ہوئے ہونٹ۔ لاحول ولاقوۃ۔ یہ وہ تو ہرگز نہیں تھی۔ انجم پچھتانے لگا کہ اتنی دیر وہ یہاں وقت ضائع کرتا رہا۔ دوسرے ڈبے دیکھ لیتا تو شاید وہ حسین صورت پھر نظر آجاتی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا مگر اسی لمحہ انجن نے تیز وسل دی اور ایک جھٹکا کھا کر ٹرین حرکت میں آگئی۔

"اب کیا بھاگ رہے ہو صاحبزادے۔" سعید نے پیچھے سے آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "لونڈیا تو نکل گئی۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" انجم نے منہ بنایا۔ "کیا شائستہ الفاظ بولنے لگے آج کل۔ کوئی اور شاندار لفظ نہیں ملا تھا۔"

"انوہ بہت برا لگ گیا حضور کو۔" سعید نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کچھ ادھر سے بھی ہمت افزائی ہوئی تھی یا اپنے ہی کھونٹے پر کود رہے ہو۔"

"کیا مطلب۔؟"

"اب مطلب بھی تمہارے حساب میں مجھے ہی بتانا ہوگا۔" سعید نے ایک ہلکا قہقہہ لگایا۔ "یار بڑے میاں کا تکیہ کلام بھی خوب ہے مگر میں نے بھی وہ جواب دیا کہ شرمندہ ہو کر بغلیں جھانکنے لگے۔"

لونڈیا صورت شکل کی کیسی ہے۔ میرے سامنے تو نقاب ہی ڈالے رکھی اس نے۔ مگر تم نے تو خوب دیکھا ہوگا۔"

"تمہارا مطلب اگر شبانہ سے ہے۔" انجم نے ایک تلخ مسکراہٹ سے جواب دیا۔ "تو کسی غلط فہمی میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا نام جتنا حسین ہے صورت اتنی ہی خراب ہے۔"

"اب یہ یاروں کو پٹڑی دے رہے ہو۔ وہ بدصورت ہوتی تو تم ضرور بھاگے آتے۔ میرا تو خیال ہے تم پہلے بھی اسے ہی دیکھ کر آئے تھے۔"

"اسے نہیں کسی اور دیکھا تھا۔" انجم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ "بس جیسے نگاہوں کے سامنے بجلی سی چونک گئی۔"

"اچھا۔" سعید نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ "پھر کیا ہوا۔؟"

"کچھ نہیں ڈبہ آگے نکل گیا۔" انجم نے جواب دیا۔

"تو تم نے اسے تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"کی تھی۔ پوری ٹرین کا ایک ایک کمپارٹمنٹ جھانکا۔ مگر وہ کہیں نہیں آئی۔ شبانہ کی آواز سنی تو خیال ہوا کہ شاید یہ وہ ہی ہے۔ ایک دفعہ دوبارہ دیکھنے کی امید میں آیا تھا۔ مگر جب اس نے نقاب الٹا تو میرا دل مالش کرنے لگا۔"

"کوئی بات نہیں دوست۔" سعید نے جواب دیا۔ "لڑکی اور بس نکل گئے تو کبھی افسوس نہیں کرنا چاہیئے۔ دوسری ابھی آتی ہوگی۔"

"تم مذاق کر رہے ہو اور۔۔۔"

"اور غالباً آپ کی جان پر بنی ہوئی ہے۔" سعید نے بات کاٹی
"اور اب یقیناً کپڑے پھاڑ کر کسی جنگل میں نکل جاؤ گے۔ یار میں کہتا ہوں
تم آدمی ہو یا مجنوں۔ معلوم ہے ساڑھے پانچ بج رہے ہیں۔ ابھی
منٹ میں اسٹاف بس جانے والی ہے۔ آج پکچر نہیں چلنا ہے۔؟"

"آج پکچر کا پروگرام ملتوی کر دو۔ کچھ موڈ نہیں ہے۔" انجم نے گیٹ
کی طرف چلتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کہاں جاؤ گے۔؟"

"کہیں نہیں۔ سیدھا گھر جاؤں گا۔"

"گھر جا کر کیا کرو گے۔؟" سعید نے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ
گھر میں تمہارا دل کیسے لگتا ہے؟"

"کتابیں انسان کی بہترین رفیق تنہائی ہوتی ہیں۔"

"پھر تو ضرور بہت غلط قسم کی کتابیں پڑھتے ہوگے۔" سعید
بولا۔ "تنہائی کی ضرورت صرف اسی قسم کی کتابوں کے لئے ہوتی
میں پوچھتا ہوں آخر تم شادی کیوں نہیں کر لیتے۔؟"

"ابھی اپنا گذارا نہیں ہوتا بیوی کو کہاں سے کھلاؤں گا۔" انجم
جواب دیا۔ "اور تمہاری طرح ہذا من فضل ربی کا میں قائل نہیں

"او بھائی مولوی کیوں میری روزی کے پیچھے پڑا ہے۔" سعید
احتجاج کیا۔ "یہ کسٹم پوسٹ ہے اور بڑے صاحب تمہارے
دامن پر نماز پڑھنے کے لئے ہر وقت باوضو رہتے ہیں۔ کسی

موڈ بھی ان سے یہ بات جڑ دی تو میرا کباڑا ہو جائے گا۔"

"تو پھر تم ہی بتاؤ۔ دو ڈھائی سو کی تنخواہ میں آج کل کیا ہو سکتا ہے۔؟"

"اس کا مطلب یہ کہ سدا کنوارے رہنے کا ارادہ ہے۔ موجودہ
گریڈ میں تو ریٹائرمنٹ کے وقت تک بھی ساڑھے تین سے زیادہ
نہیں مل سکتے۔"

"اسی لئے تو میں ایم کام کی تیاریاں کر رہا ہوں۔"

"گویا ایم کام کرنے کے بعد ہی شادی کرو گے۔"

"نہیں ایسی کوئی قسم تو نہیں کھائی ہے۔" انجم نے جواب دیا۔
آتا کہ اگر اللہ میاں نے کسی پرائز بانڈ پہ پندرہ بیس ہزار کا انعام دلوا دیا تو
پہلے بھی ہو سکتی ہے۔"

"یار یہ تم اپنے پرائز بانڈ رکھتے کہاں ہو۔؟" اچانک سعید نے پوچھا۔
کیوں چوری کا ارادہ ہے۔؟"

"چوری آپ کرتے ہوں گے۔" سعید نے کہا۔ "ہم تو قرض حسنہ لیتے
ہیں اور جب ہاتھ میں تنخواہ آتی ہے تو پھر چپکے سے واپس کر دیتے ہیں
گا۔" انجم مہینے کے آخری دنوں میں کئی مرتبہ گھر جا کر تلاشی لے چکا ہوں کہ مل
نہیں ہوں۔ تو دس بیس روپے کے بانڈ قرض لے لوں مگر پتہ نہیں کس کونے
کھدرے میں چھپا کر رکھتے ہو کبھی ہاتھ ہی نہیں آتے۔"

انجم ہنسنے لگا۔

"تو یہ کیجئے ہر مہینے اٹھائیس انتیس تاریخ کو جو کئی کئی گھنٹے آ کر

جم جاتے ہو اور جانے کا نام نہیں لیتے تو اس کی وجہ یہ تھی۔" وہ بولا۔

"بالکل یہی وجہ تھی۔" سعید نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ظاہر ہے کہ جناب نہ ایسے یوسف ہیں اور نہ اتنے حاتم کہ خدا کی خلقت دروازے پر کھڑی رہے۔"

آفس میں اپنا کام ختم کرتے ہوئے انجم اور سعید کو مزید پندرہ بیس منٹ لگ گئے۔ اسٹاف بس بھی کچھ دیر سے آئی نتیجہ یہ کہ جب وہ مرشد آباد کے ریلوے اسٹیشن کے باہر بس سے اتر رہے تھے تو سوا چھ بج چکے تھے۔

"آج تو یوں بھی وقت نکل گیا ہے۔" انجم نے گھڑی دیکھی۔ "ختم کرو کسی اور دن چلیں گے۔"

"شو تو اب بھی مل سکتا ہے مگر جب تمہارا موڈ ہی نہیں ہے تو کیا کہہ سکتا ہوں۔ وہاں جا کر اور بور کروگے۔" سعید نے جواب دیا۔

"اچھا تو پھر خدا حافظ۔ کل ملاقات ہوگی۔" انجم نے قدم اٹھایا۔

"ارے ارے۔" سعید نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "یعنی پکچر ختم تو چائے بھی ختم۔"

"حد ہوگئی۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ آج اپنے پیسے بچ گئے۔ مگر چائے کے معاملے میں تمہاری یادداشت حیرت انگیز ہے۔ ایک وقت کا کھانا بھول سکتے ہو مگر شام کی چائے ناغہ نہیں ہو سکتی۔"

"کھانا۔" سعید نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ "وہ ہی تو میں سوچ رہا تھا

کہ اس وقت مجھے بھوک کیوں لگ رہی ہے۔ آج دوپہر کسی کا ناشتہ دان غائب کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ سب سالے ہوشیار ہوتے جا رہے ہیں۔ الماری تک تو کوئی بات نہیں تھی مگر اب تالے بھی پڑنا شروع ہوگئے ہیں۔ دیکھا جائے تو میں دفتر میں سب کا پڑوسی ہوں مگر کیا مجال کوئی جھوٹے منہ بھی کھانے کے لئے پوچھ لے۔ پھر کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔"

"تم اپنا کھانا لے کر کیوں نہیں آتے۔" انجم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"کوئی ایک دو دن کی بات تو ہے نہیں۔ روزانہ مفت خوروں کو کون برداشت کر سکتا ہے۔"

"اچھا بھیا کل سے اپنا ناشتہ دان بھی لے آؤں گا۔" سعید نے خوشامدانہ لہجہ میں کہا۔ "اس وقت تو چائے کے ساتھ دو چار درجن سموسے کھلا دو۔ بھوک سے جان نکلی جا رہی ہے۔ سچ کہتا ہوں گھر پہنچتے پہنچتے شہید ہو جاؤں گا اور میرا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔"

"صرف ناشتہ دان یا اس میں کھانا بھی ہوگا۔" انجم نے ریسٹورنٹ کی جانب چلتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے ناشتہ دان لانے کی عادت تو پڑ جائے۔ آہستہ آہستہ کھانا بھی لانے لگوں گا۔" سعید نے بڑے خلوص سے جواب دیا۔

منتخب کردہ ریسٹورنٹ جس میں تقریباً روزانہ دفتر سے واپسی میں چائے پی جاتی تھی ٹیکسی اسٹینڈ کے قریب ہی واقع تھا۔ انجم اور سعید آگے بڑھے۔ دیکھا کہ ٹیکسی اسٹینڈ میں ایک ٹیکسی کے گرد خاصی

بھیڑ جمع ہے۔

"یہ بھیڑ کیسی لگی ہے۔" سعید نے چلتے چلتے رک کر کہا۔

"ہوگا کچھ۔" انجم نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ "تم چائے پینے چل رہے ہو یا میں گھر جاؤں۔"

مگر اتنی دیر میں سعید لوگوں کو ہٹاتا ہوا آگے بڑھ چکا تھا مجبوراً انجم کو بھی اس کے پیچھے چلنا پڑا۔ دیکھا کہ غوری صاحب اور ٹیکسی ڈرائیور میں کچھ گرما گرمی ہو رہی ہے۔ سامان ایک طرف رکھا ہوا ہے۔ اور اس کے قریب ہی شبانہ حسب معمول چہرے پر برقعہ کی نقاب ڈالے کھڑی ہے۔

"ارے یہ تو اپنے غوری صاحب ہیں آپ کے سرپرست۔" سعید نے مسکراتے ہوئے انجم کے کہنی ماری۔

غوری صاحب نے بھی ان دونوں کو دیکھ لیا۔ ان کے چہرے پر ایک چمک سی آگئی۔ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہ ہاتھ پھیلائے ہوئے انجم کی طرف لپکے۔

"الٰہی خیر۔" انجم زیر لب بڑبڑایا۔

"ارے برخوردار انجم سلمہٗ۔ بھئی خوب ملے تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے اس پرتپاک انداز میں ہاتھ ملایا جیسے اب تک وہ اسی کے انتظار میں کھڑے تھے۔

"کیا بات ہے قبلہ۔؟" سعید نے پوچھا۔

"بات کیا ہوتی۔ میں نے یہ ٹیکسی کچہری روڈ پر ٹھیکیدار وزیر احمد خاں کے گھر جانے کے لئے کرایہ پر لی تھی تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔

"خوچہ تم آدمی ہے کہ بلبل ہے۔" ٹیکسی ڈرائیور بات کاٹ کر بولا۔ "کبھی ہمارے حساب میں بولتا ہے کبھی ان کے حساب میں بولتا ہے۔ تمہارا باتیں سن سن کر تو ہمارا مغز خراب ہو گیا ہے۔"

"ڈرائیور تم خاموش رہو۔" انجم نے کہا۔

"وئی قربان۔ ہم خاموش رہے گا تو یہ حساب کتاب کا بچہ ہمارا کرایہ کیسے دے گا۔"

"تمہارا کرایہ ہم دے دیں گے۔ ذرا بات تو کرنے دو۔" سعید نے کہا اور غوری صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔ "تو آپ نے کچہری روڈ کے لئے ٹیکسی کرایہ پر لی۔ پھر کیا ہوا آپ کے سرپرست۔؟"

"میں نے وزیر احمد خاں اور برخوردار سہیل سلمہٗ کو تار بھی دیدیا تھا۔" غوری صاحب نے بتایا۔ "مگر جب ان دونوں میں سے کوئی بھی اسٹیشن پر نظر نہیں آیا تو ان خان صاحب سے بات کی کہ کچہری روڈ کا کیا لیں گے تمہارے حساب میں۔ انہوں نے بتایا پانچ روپیہ میں نے پوچھا میٹر سے کیوں نہیں چلتے۔ جو کرایہ بن جائے گا۔ دے دوں گا۔ مگر خان صاحب نہیں مانے۔ بولے میٹر کا بات مت کرو۔ ہم پانچ روپیہ لیگا اور جہاں تم بولتا ہے اتار دے گا۔ میں نے منظور کر لیا تمہارے حساب میں

بدقسمتی یہ ہوئی کہ کچہری روڈ پر کہیں وزیر احمد خاں صاحب کے گھر کا پتہ نہیں چلا۔ اب خان صاحب کہتے ہیں کہ پندرہ روپیہ کرایہ ہوتا ہے۔"

"تم اس کا بات سن لیا برادر۔ تو خوچہ ہمارا بات بھی سن لو۔" ٹیکسی ڈرائیور نے انجم کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس بھائی نے ہمارا ٹیکسی کچہری روڈ کے واسطے کرایہ پر لیا۔ ہم بولا ٹھیک ہے تم پانچ روپیہ کہتا ہے تو ہم پانچ روپیہ لے لیگا۔ مگر پورا کچہری روڈ پر کسی وزیر احمد خاں کا گھر نہیں ملا۔ یہ بولا کہ ہم پتہ بھولتا ہے کچہری روڈ نہیں تم ہم کو کچہرلین لے چلو اپنے حساب میں۔ ہم نے سوچا مسافر آدمی ہے چلو لے چلو کچہرلین پہنچا تو ادھر بھی اس کا بھائی بند نہیں رہتا تھا۔ پھر یہ بولا ہمیں کچھی کالونی پہنچا دو اپنے حساب میں۔ ہم کو غصہ تو بہت آیا مگر سوچا کہ چھوڑو بڈھا آدمی ہے بھول گیا ہوگا۔ ادھر بھی پہنچا دیا مگر برادر ذرا انصاف کا بات کرو ہم اسے اپنے حساب میں دی سارے شہر میں تو تفریح نہیں کرا سکتا۔ میٹر پندرہ روپیہ بتاتا ہے۔ چلو پانچ روپیہ ہم اپنے حساب میں لے لیگا مگر دس روپیہ تو اس بھائی کو اپنے حساب میں لینا چاہیئے کہ نہیں۔ تمہیں ذرا انصاف کا بات کرو برادر۔"

"بات یہ ہے برخوردار کہ جس کاغذ پر وزیر احمد خاں صاحب کا پتہ لکھا تھا وہ تو کسٹم پر تلاشی میں کہیں کھو گیا۔" غوری صاحب نے صفائی پیش کی۔ "مجھے کچہری روڈ یاد تھا مگر وہاں جب تمہارے حساب میں گھر کا پتہ نہیں لگا تو خان صاحب نے بتایا کہ شہر میں کوئی جگہ کچہرلین

بھی ہے۔ میں نے سوچا ممکن ہے کچہرلین ہو اور مجھے ہی غلط یاد رہ گیا ہو۔ کچھی کالونی کا معاملہ بھی یہ ہی تھا۔ جب کچہرلین میں پتہ نہیں چلا تو وہاں جاکر دیکھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ خان صاحب نے تو پانچ روپیہ میں پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔ اصولاً تو انہیں ایک پیسہ بھی نہیں ملنا چاہیئے تمہارے حساب میں۔ کیونکہ جہاں ہمیں جانا تھا وہاں تو ابھی تک نہیں پہنچے۔"

"یہ تو بڑی پریشانی ہوگئی۔" سعید نے فکرمندی سے کہا۔ "یہاں کوئی اور جان پہچان والا نہیں ہے آپ کے سر پر۔"

"کسی اور سے واقفیت ہوتی تو ہم اسٹیشن واپس کیوں آجاتے" غوری صاحب نے پریشانی سے جواب دیا۔ "شہر تو شہر پورے ملک میں سوائے ٹھیکیدار وزیر احمد خاں اور سہیل سلمہ کے ہمارا کوئی عزیز رشتہ دار نہیں ہے تمہارے حساب میں۔"

"پھر اب کیا کریں گے؟" سعید نے پوچھا۔

"یہ ہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔" غوری صاحب نے کہا۔ "جوان بیٹی کا ساتھ ہے اور ساری پونجی کسٹم پر لٹا آیا ہوں تمہارے حساب میں۔"

"جی۔" انجم چونکا۔

"اوہو۔ میرا مطلب تھا برخوردار کہ پہلی کسٹم چوکی پر ادھر والوں نے سب کچھ چھین لیا۔" غوری صاحب جلدی سے بولے۔ "کچھ زیورات تھے۔ نقدی تھی۔ بس پچاس روپیے چھوڑ دیئے تمہارے حساب میں پانچ روپیے قلی کے، چھ روپیے کے دو ٹکٹ گل میر کسٹم چوکی سے یہاں

تک کے۔ یہ ہو گئے بیس روپیے۔ دو روپیہ اسٹیشن پر قلی کو بھی دیئے
اب پندرہ روپیے ان خان صاحب کو دے دوں تمہارے حساب
میں تو میرے پاس تو کل تیرہ روپیے ہی باقی بچیں گے۔"

"پھر تو ہوٹل میں بھی نہیں ٹھہر سکتے۔" سعید نے سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ وزیر احمد خاں کون ہیں آپ کے۔؟" انجم نے پوچھا۔

"سمدھی ہیں میرے۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔ "ان کے
بیٹے سہیل سلمہٰ سے بیٹی شبانہ کا نکاح ہوا ہے تمہارے حساب میں بھائی
وزیر احمد میرے بہت پرانے دوست ہیں۔ وہ دس برس پہلے ہی
ادھر آ گئے تھے۔ میں نے نواب لوٹم پور کی ملازمت چھوڑی تو انہوں نے
لکھا کہ تم بھی یہاں آ جاؤ۔ گذشتہ برس سہیل سلمہٰ ویزا لے کر آئے تھے
تو نکاح کر دیا تھا۔ اب یہاں آ کر رخصتی کا ارادہ تھا تمہارے حساب میں"

"میرے خیال سے ایسا کیوں نہ کریں۔" سعید نے اچانک کہا۔
"کہ جب تک آپ کے سمدھی اور داماد کا پتہ چلے آپ انجم صاحب
کے گھر ٹھہر جائیں۔ یہ بالکل اکیلے رہتے ہیں آپ کے سر پر تین کمروں
کا مکان ہے۔ پردے وغیرہ کے سلسلہ میں بھی کوئی پریشانی نہیں
ہوگی۔ جب دو چار دن میں وزیر احمد خاں صاحب کا پتہ لگ جائے
آپ کے سر پر تو آپ ان کے گھر چلے جائیں۔"

انجم نے گھور کر سعید کی طرف دیکھا اور سعید نے جلدی سے منہ
دوسری طرف کر لیا۔

"تجویز تو معقول ہے۔" غوری صاحب بولے۔ "مگر برخوردار انجم
کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" سعید نے شوخ لہجہ میں جواب
دیا۔ بلکہ میرے نزدیک تو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ روز شکایت کرتے
ہیں کہ ہوٹلوں کا کھانا کھاتے کھاتے پیٹ خراب ہو گیا ہے آپ کے
سر پر۔ اب کچھ دن گھر کی پکی پکائی کھانے کو ملے گی تو معدے کی صحت
بھی بحال ہو جائے گی۔"

"تو کیا ان کے والدین وغیرہ یہاں نہیں رہتے۔؟"

"جی نہیں، وہ دولت آباد میں رہتے ہیں۔ یہ بھی پہلے تھے مگر کوئی
چھ مہینے سے یہاں تبادلہ ہو گیا ہے آپ کے سر پر۔"

"بس تو پھر یہ ہی ٹھیک ہے۔" غوری صاحب ڈرائیور کی طرف
گھوم پڑے۔ "سامان اٹھا کر ٹیکسی میں رکھو خان صاحب۔ کرایہ بھی
مل جائے گا۔"

"ارے قربان اتنی دیر میں یہ پہلا عقلمندی کا بات کیا ہے تم نے
برادر۔" ڈرائیور نے جلدی جلدی سامان اٹھا کر ٹیکسی کے پیچھے
کے حصہ میں ٹھونسنا شروع کر دیا۔ غوری صاحب شبانہ کا ہاتھ پکڑ کر
پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ شبانہ غریب بڑی مشکل میں تھی۔ وہ اتنے
لوگوں کے درمیان زبان نہیں کھول سکتی تھی۔ اول تو وہ اس سفر کے
ہی خلاف تھی۔ اس پر ستم یہ کہ غوری صاحب نے اسے بالکل برقعے

میں منہ دھو دیا تھا۔ کالج میں وہ برقعہ ضرور پہن کر جاتی تھی مگر اس طرح کہ منہ کھلا رہتا تھا۔ اس نے ہر چند کہا کہ جس طرح میں باہر آتی جاتی ہوں اسی طرح چلنے دیجئے مگر غوری صاحب نہیں مانے۔ ان کا کہنا تھا کہ ٹھیکیدار صاحب کا گھرانا بہت پرانے خیال کا ہے۔ انہوں نے بہو کو نقاب الٹے دیکھا تو اسی وقت بیٹے سے طلاق دلوا دیں گے۔ مجبوراً شبانہ نے چپ سادھ لی۔ یوں بھی وہ غوری صاحب کی مٹھائی کے سلسلے میں کمزوری پر شرمندہ رہتی تھی۔ مگر کیا کرتی غوری صاحب بہر حال اس کے باپ تھے اور ایسے باپ جنھوں نے ماں کے مرنے کے بعد محض اس کی محبت میں دوسری شادی نہیں کی تھی۔

انجم سعید کو ایک طرف لے گیا۔

"یہ کیا مصیبت تم نے میرے گلے باندھ دی ہے؟" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"مصیبت یا کارِ خیر۔" سعید مسکرایا۔ "ذرا سوچو وہ اس اجنبی شہر میں کہاں جاتے جب کہ جیب بھی خالی ہے۔"

"تو اس نیک کام کے لئے تم نے اپنی خدمات کیوں نہیں پیش کر دیں۔"

"میرا گھر خالی ہوتا تو ضرور یہ ہی کرتا۔" سعید نے جواب دیا۔

"آخر تم اتنا گھبرا کیوں رہے ہو۔ میرا خیال ہے وزیر احمد خاں صاحب نے اپنا مکان وغیرہ تبدیل کر لیا ہے۔ اخبار میں اشتہار دے دینا آ کر لے جائیں گے۔ غوری صاحب سیدھے سادے سے آدمی ہیں جوان لڑکی ساتھ تھی، غلط لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتے تو کیا ہوتا۔؟"

"ضرور۔" انجم منہ بنا کر بولا۔ "ایسی ہی تو مہ جبین ہیں وہ صاحبزادی غلطی سے کوئی لے بھی جاتا تو صورت دیکھتے ہی چھوڑ بھاگتا۔"

آپ آؤ نا برخوردار۔" غوری صاحب نے ٹیکسی کی کھڑکی سے سر نکال کر آواز دی۔ "ورنہ یہ خان صاحب کا میٹر تو میری جیب میں ایک پیسہ نہیں چھوڑے گا تمہارے حساب میں۔"

"ابھی حاضر ہوئے آپ کے سر پر۔" سعید نے جواب دیا اور دبی آواز میں انجم سے کہا۔ "اب چلو بھی۔ تم نے سنا نہیں مہمان خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔ کیا پتہ ان ہی کے قدموں کی برکت سے تمہارا کوئی انعامی بانڈ نکل آئے۔"

سعید، انجم کو کھینچتا ہوا لایا۔ دونوں اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گئے۔

"قبلہ آپ کے ملنے سے پہلے ہم چائے پینے جا رہے تھے آپ کے سر پر۔" سعید نے گھوم کر غوری صاحب سے کہا۔ "چنانچہ گھر پہنچ کر سب سے پہلے شبانہ بہن کو ہمارے لئے چائے بنانا پڑے گی۔"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔" غوری صاحب نے گردن ہلائی۔ "چائے بھی اور اس کے ساتھ شاہی ٹکڑے بھی تمہارے حساب میں۔"

چار دن گذر گئے۔ اور ان چار دنوں میں انجم بری طرح بور ہو چکا

تھا۔ غوری صاحب نے بڑی بے تکلفی سے گھر کی ہر چیز کو اپنے تصرف میں لے لیا تھا۔ خاص طور سے اس کی کتابوں کی الماری کے تو پیچھے پڑ گئے تھے۔ بات صرف اتنی ہی نہیں تھی کہ کتاب لی، پڑھی اور واپس رکھ دی۔ یہ ہوتا تو انجم کو اپنی پسندیدہ کتابوں کی خیریت کے بارے میں خطرہ نہ ہوتا۔ غوری صاحب کی عادت تو یہ تھی کہ جہاں کوئی کتاب پڑھ رہے ہیں بس وہیں ڈال دی۔ ایک بستر پر ہے تو ایک ناشتہ کی میز پر تیسری باورچی خانے میں شکر کے ڈبے پر اس وقت بھول آئے جب شکر کھانے گئے تھے اور چوتھی بیت الخلاء سے واپس آتے ہوئے وہیں لوٹے کے ساتھ رکھ دی۔ شبانہ بڑی حد تک دیکھ بھال رکھتی مگر کوئی نہ کوئی کتاب جگہ سے بے جگہ انجم کی نظر میں آ ہی جاتی۔ مجبوراً اس نے خاص خاص کتابیں نکال کر علیحدہ بک شیلف میں رکھ دیں اور غوری صاحب سے وعدہ لے لیا کہ وہ انھیں ہاتھ نہیں لگائیں گے کم از کم اس وقت تک جب تک الماری کی تمام کتابیں نہیں پڑھ لیتے۔

اخبار میں اشتہار دوسرے دن ہی دے دیا گیا تھا اور اس کے لئے انجم کو اپنی جیب سے رقم خرچ کرنا پڑی تھی مگر تین دن گذر جانے کے باوجود ابھی تک نہ وزیر احمد خاں صاحب نے کوئی خبر لی تھی نہ ان کے صاحبزادے سہیل نے۔ شبانہ کی یہ کیفیت تھی کہ ہر چند بے شک اثر گیا تھا مگر گز بھر لمبا گھونگھٹ نکال کر انجم کے سامنے آتی تھی۔ یوں اس کی وجہ سے نہ صرف کھانا بہترین ملنے لگا تھا بلکہ گھر کی وہ ابتری بھی ختم ہو گئی

تھی جسے دیکھ کر سعید لہک لہک کر مرزا غالب کا یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کر گھر یاد آیا

مگر اس کے باوجود انجم جھلایا جھلایا سا رہتا تھا۔ وہ جس سکون اور تنہائی کا عادی تھا ظاہر ہے وہ بالکل ختم ہو کر رہ گئی تھی خاص طور سے غوری صاحب کی وجہ سے جو مسلسل اپنی بے تکی باتوں سے اس کے کان کھاتے رہتے تھے۔ اس درمیان میں سعید بھی دو تین مرتبہ آیا تھا اور ہر مرتبہ انجم کو برا بھلا کہہ کر گیا تھا کہ ایسے رومانی حالات سے وہ کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ شبانہ ایک گھونگھٹ کو چھوڑ کر کافی تیز وطرار معلوم ہوتی تھی۔

تین دن انتظار کرنے کے بعد انجم کو ایک مرتبہ پھر اپنی جیب پر ستم ڈھانا پڑا۔ آج دفتر سے واپس آتے ہوئے وہ اخبار میں دوسرا اشتہار بھی دے آیا تھا۔ ساتھ ہی تنگ آ کر اس نے یہ فیصلہ بھی کیا تھا کہ اگر اس مصیبت نے اس طرح اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تو وہ خود ایک مصیبت بن کر پیچھے لگ جائے گا۔

وہ کپڑے تبدیل کر کے بیٹھا ہی تھا کہ شبانہ چائے کی ٹرے لئے کمرے میں داخل ہوئی۔

"غوری صاحب کہاں ہیں؟" انجم نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کہہ رہے تھے کہ ذرا گلشن لائبریری تک جا رہے ہیں۔" شبانہ نے بڑے اس کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔ گلشن لائبریری اس علاقے کی ایک بڑی لائبریری تھی اور انجم کے گھر سے کچھ ہی فاصلے پر واقع تھی۔ انجم خود بھی اس کا ممبر تھا۔

"تو تم اس وقت گھر میں اکیلی ہو۔" انجم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا

"جی نہیں۔ آپ بھی تو ہیں۔" شبانہ نے ہاتھ چھڑانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

"بیٹھ جاؤ۔" انجم نے کہا اور شبانہ اسی کی کرسی کے ہتھے پر بیٹھنے لگی۔

"یہاں نہیں۔" انجم نے گھبرا کر دوسری کرسی کی طرف اشارہ کیا "اس کرسی پر۔"

"میں سمجھی شاید آپ اپنے پاس بٹھانا چاہتے ہیں۔" شبانہ دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

"یہ تم نے کیسے سمجھا۔؟"

"آپ نے پوچھا تھا نا کہ گھر میں اکیلی ہو۔"

"تو پھر کیا ہوا۔؟"

"جب کوئی نوجوان کسی لڑکی سے اس قسم کا سوال کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہی ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایسی بات کرنا چاہتا جو سب کے سامنے نہیں کر سکتا۔"

"بہت ہوشیار معلوم ہوتی ہو۔"

"جی ہاں۔" شبانہ نے گھونگھٹ سے چھپا ہوا سر ہلایا۔ "ابو بھی یہ ہی کہتے ہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ آپ کے گھر رہتے ہوئے چار پانچ دن ہو چکے ہیں۔ قاعدے سے تو آپ کو دوسرے تیسرے دن ہی میرا گھونگھٹ اٹھا کر صورت دیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی مگر آپ کچھ ضرورت سے زیادہ محتاط معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ اتنے دن انتظار کون کرتا ہے۔ اٹھاؤں گھونگھٹ۔"

"آر رر رر نہیں۔" انجم نے جلدی سے منہ پھیر لیا۔ اسے ڈر ہوا کہ وہ کہیں سچ مچ الٹ ہی نہ دے گھونگھٹ۔ یہ تو بڑی عجیب لڑکی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا۔

"کیوں۔ کیا آپ میرا چاند سا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتے۔" شبانہ نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" انجم بولا۔ "ابھی میں نظارہ جمال کی تاب نہیں لا سکتا۔"

"تو میں نے کب آپ سے کچھ لانے کے لئے کہا ہے۔" شبانہ نے شرمانے کی کوشش کی۔ "مجھے کیا معلوم نہیں ہے کہ باقاعدہ محبت سے پہلے فرمائشیں نہیں کرنا چاہئیں۔"

"تو تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔" انجم نے پوچھا۔

"اگر آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ میں جواباً محبت

کرنے کے لئے مجبور ہوں۔" شبانہ بولی۔ "سنا ہے کہ محبت کا جواب محبت سے نہ دیا جائے تو لوگ مرنے کی دھمکی دینے لگتے ہیں۔"

"مگر تمہاری تو شادی ہو چکی ہے۔"

"شادی نہیں صرف نکاح۔"

"بات تو ایک ہی ہوئی۔"

"ایک کیسے ہوئی۔" شبانہ کسی بچہ کی طرح ٹھنکی۔ "دونوں میں بہت فرق ہے۔"

"کیا فرق ہے۔؟"

"وہ ہی جو تھیوری اور پریکٹیکل میں ہوتا ہے۔"

"گویا تمہیں سہیل صاحب پسند نہیں ہیں۔" انجم نروس ہونے لگا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ شبانہ کو چھیڑنے کی کوشش کرے گا تو وہ غوری صاحب سے شکایت کرے گی اور غوری صاحب اپنی جوان بیٹی کی عزت بچانے کے لئے جلد سے جلد دفع ہو جائیں گے مگر یہاں تو الٹی آنتیں گلے میں پڑی جا رہی تھیں۔ شبانہ اتنی بے تکلف ثابت ہوگی اس کا اسے وہم و گمان تک نہیں تھا۔

"پسند یا ناپسند سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے انہیں آج تک دیکھا ہی نہیں۔" شبانہ نے جواب دیا۔ "مگر آپ چائے کیوں پیتے۔ یا میں اپنے ہاتھ سے بنا کر دوں تب پئیں گے۔"

"یہ ہی بات ہے۔ آج میں تمہارے ہاتھ سے چائے پینا چاہتا ہوں۔"

انجم نے کہا۔

شبانہ کرسی سے اٹھ کر چائے بنانے لگی۔

"شکر کتنے چمچے ڈالوں۔" اس نے پوچھا۔

"جتنی دل چاہے ڈال دو۔" انجم نے جواب دیا۔ "تمہارے ہاتھ کی چائے تو یوں بھی میٹھی ہوگی۔"

"واقعی۔" شبانہ جیسے خوش ہو کر بولی۔ "پھر تو یہ شکر میں ابو کے لئے اٹھا کر رکھے دیتی ہوں۔"

"کیوں۔ کیا اور شکر نہیں ہے گھر میں۔"

"جی نہیں۔ ابو کو چاکلیٹ تو مل نہیں رہی ہے۔ چنانچہ وہ آج کل شکر پر گذارا کر رہے تھے۔"

"بھئی یہ ہمارا ذکر خیر کس سلسلہ میں ہو رہا ہے۔" غوری صاحب کمرے میں قدم رکھتے ہوئے بولے۔ انجم کچھ چونک سا گیا۔

"میں انجم صاحب کو شکر ختم ہونے کی خوشخبری سنا رہی تھی ابو۔" شبانہ نے جواب دیا۔

"اچھا۔ اچھا۔" غوری صاحب جلدی سے بولے۔ "لو برخوردار چاکلیٹ کھاؤ۔"

"چاکلیٹ۔" انجم نے گھور کر دیکھا۔ شبانہ تو بتا رہی تھیں کہ چاکلیٹ نہیں ہیں اس لئے آپ شکر کے پھنکے لگا رہے ہیں آج کل۔"

"بالکل جھوٹ ابو۔ میں نے پھنکوں کا نام تک نہیں لیا تھا۔"

"اچھا تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" غوری صاحب نے شبانہ سے کہا اور جب وہ چلی گئی تو انجم سے بولے۔ "میرے کوٹ کی جیب میں اتفاق سے دس روپیہ کا نوٹ نکل آیا تھا تمہارے حساب میں۔ تم آج اخبار کے دفتر گئے تھے۔"

"جی ہاں۔" انجم نے کچھ ترشی سے جواب دیا۔ "دو اشتہاروں پر میرے ڈیڑھ سو روپے خرچ ہو چکے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" غوری صاحب سر ہلاتے ہوئے بولے۔ "تم اطمینان رکھو بھائی وزیر احمد کے آتے ہی تمام قرضہ چکا دوں گا۔ تمہارے حساب میں۔"

"اور وہ نہ آئے تو۔؟"

"میں نے ایک خط شام نگر بھی ڈال دیا ہے۔ وہاں سے صحیح پتہ آ جائے تو میں خود چلا جاؤں گا۔"

انجم خاموشی سے چائے پینے لگا۔ غوری صاحب اٹھ کر کتابوں کی الماری کے پاس چلے۔

"آپ تو گلشن لائبریری گئے تھے شاید۔" انجم نے کہا۔ "وہاں سے کتابیں نہیں لائے۔"

"وہ لوگ کہتے ہیں کہ پانچ روپیہ نقد زر ضمانت جمع کرائے بغیر ممبر نہیں بناتے تمہارے حساب میں۔"

"تو آپ کے پاس تو دس روپے تھے۔"

غوری صاحب کچھ چونکے۔

"بھئی ... وہ ... میں نے سوچا کہ کتابیں تو یہاں کافی باقی ہیں ممبر بن کر کیا کروں چنانچہ چاکلیٹ خرید لیں۔ اب کم سے کم شکر کا نقصان تو نہیں ہوگا تمہارے حساب میں۔"

"آپ کتابیں لے تو لیتے ہیں مگر واپس نہیں رکھتے۔" انجم نے ناگواری سے کہا۔ "کل رات میں گھر کی مرغی تلاش کرتا رہا کہیں ملی ہی نہیں۔"

"برخوردار مرغیاں ہیں کہاں تمہارے حساب میں جو تم تلاش کرتے رہے۔" غوری صاحب نے منہ دوسری طرف کرتے ہوئے جواب دیا۔

"میں کتاب کی بات کر رہا ہوں۔" انجم نے تلخی سے کہا۔ "گھر کی مرغی ایک کتاب کا نام ہے۔"

"اچھا وہ۔" غوری صاحب سر کھجاتے ہوئے بولے۔ "گھر میں ہی ہوگی کہیں۔ میں ڈھونڈ کر رکھ دوں گا۔"

انجم خاموش ہو گیا۔ غوری صاحب الماری سے ایک کتاب لے کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ دوسرے دن اتوار تھا۔ سعید نے وعدہ کیا تھا کہ آج رات پکچر ضرور دیکھی جائے گی اور میں آٹھ، ساڑھے آٹھ بجے تک ضرور آ جاؤں گا۔ انجم نے گھڑی دیکھی تو صرف سات بجے تھے۔ جب سے غوری صاحب آئے تھے وہ گھر پر پڑھائی بالکل نہیں کر سکا تھا۔ اس نے سوچا کہ اتنی دیر کچھ پڑھ ہی

لیا جائے۔ اکاؤنٹس کی کتاب اور نوٹ بک اٹھائی۔ کتاب کھولی
واپسی کی تاریخ پر نگاہ پڑ گئی۔ یہ کتاب وہ گلشن لائبریری سے
لایا تھا اور دو دن پہلے اسے واپس ہو جانا چاہیے تھا۔ انجم
یہ تھا کہ جب کتاب کی واپسی کی تاریخ آتی تو وہ لائبریری جا کر
پھر اپنے نام اشو کرا لیتا۔ اس مرتبہ غوری صاحب کی بوریت
اس کے ذہن سے یہ بھی نکل گیا کہ اسے کتاب لائبریری لے جانا
اس نے ایک گہری سانس لے کر نوٹ بک واپس شیلف پر رکھی
اور کتاب لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

گلشن لائبریری اور ریڈنگ روم کافی بڑی لائبریری
اور اچھے خاصے پیمانے پر چلائی جا رہی تھی۔ لائبریری دو بڑے
کمروں اور ایک چھوٹے سے آفس پر مشتمل تھی۔ ایک بڑے کمرے
ریڈنگ روم بنا ہوا تھا اور دوسرے کمرے میں کتابوں کی الما
کھڑی تھیں۔ آفس کا کیبن دروازے کے قریب ہی تھا جہاں
ایک تنگ سی راہداری الماریوں والے کمرے میں جاتی تھی
کمرے میں تین چھوٹی چھوٹی میزیں ان لوگوں کے لئے ڈلوا دی گئی
جو کسی قسم کا تحقیقی کام وہیں لائبریری میں بیٹھ کر کرنا چاہتے

انجم آفس میں داخل ہوا تو لائبریرین اخلاق صاحب کی
سامنے کرسی پر کوئی نوجوان لڑکی ہلکے نارنجی رنگ کی ساڑھی
بیٹھی تھی۔ اس کی پشت دروازے کی جانب تھی۔

"یہ لیجئے آپ کا اجراء کارڈ۔" اخلاق صاحب نے ایک کارڈ
لڑکی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "فہرست کارڈ کی الماری کتابوں والے
کمرے میں رکھی ہوئی ہے۔ وہاں میرا نائب امیر بھی موجود ہو گا۔ آپ فہرست
سے کتاب کا نام اور نمبر اسے بتا کر اپنی پسند کی کتاب لے سکتی ہیں۔"

"شکریہ۔" لڑکی کارڈ لیتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئی۔ اسی وقت
اخلاق صاحب نے انجم کی طرف دیکھا۔

"آؤ انجم صاحب آیئے تشریف لایئے۔" انہوں نے مسکراتے
ہوئے کہا۔

لڑکی گھوم کر دروازے کی طرف چلی اور انجم جیسے اپنی جگہ پتھر
کا بت بن کر رہ گیا۔ اس کی نظروں کے سامنے وہ ہی حسین چہرہ تھا جو
وہ ٹرین کے ایک کمپارٹمنٹ کی کھڑکی میں دیکھ چکا تھا۔

انجم حیرت زدہ سا آنکھیں پھاڑے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ قدم
بڑھا کر بالکل اس کے قریب آ گئی۔

"شاید آپ نے اب تک کوئی لڑکی نہیں دیکھی۔" وہ کچھ طنزیہ
لہجہ میں بولی۔ انجم نے ایک جھرجھری سی لی۔ تو یہ اس کا کوئی خواب نہیں ہے۔

"بہت دیکھی ہیں محترمہ۔" وہ مسکرایا۔ "مگر کوئی اتنی بدصورت
نہیں دیکھی تھی۔"

"اسی لئے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔"

"جی ہاں۔ میں ڈر گیا تھا نا۔"

"دیکھ کر ڈر گئے تھے تو آواز سنکر تو بے ہوش ہو جانا چاہیئے۔"

"بس اب بے ہوش ہو کر گرنے ہی والا ہوں۔"

"ذرا جلدی گریئے کسی طرح راستہ تو صاف ہو۔"

اس سوال و جواب پر اخلاق صاحب نے ایک قہقہہ بلند کیا۔

"آیئے میں آپ دونوں کا تعارف کرا دوں۔" وہ اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولے۔ "یہ ہیں مس تنویر۔ ہماری لائبریری کی نئی ممبر حال ہی میں آنند پور سے تشریف لائی ہیں۔ اور۔۔۔"

"نہ۔ نہ۔ خدا کے لئے میرا تعارف نہ کرایئے گا۔" انجم نے جلدی سے بات کاٹی۔ "میرا گھر یہاں سے بہت قریب ہے۔ کوئی بہانہ بھی نہیں چلے گا۔"

"تعارف کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے۔ کچھ لوگ شریفانہ لباس پہننے کے باوجود پہچان لئے جاتے ہیں۔" تنویر نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ انجم مسکراتا ہوا آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسی کرسی پر جسے کچھ دیر پہلے تنویر نے خالی کیا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے آپ دونوں میں کچھ پہلے کی دشمنی چلی آ رہی ہے۔" اخلاق صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آج پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی تھی۔" انجم نے جواب دیا۔ "ذرا

کا ممبر شپ کارڈ تو دکھایئے۔"

"کیوں کیا گھر تک پہنچنے کا خیال ہے۔" اخلاق صاحب نے پوچھا

"مگر افسوس کہ آرزو پوری نہیں ہو سکے گی۔ تنویر صاحبہ نے ممبر شپ کارڈ پر صرف اپنا نام ہی لکھا ہے۔"

"کوئی کتاب لے کر فرار ہو گئیں تو آپ کہاں تلاش کریں گے۔"

"کہیں نہیں۔ دوسری کتاب خرید کر لائبریری میں لگا دیں گے۔"

"چلئے حسین ہونے کا ایک نیا فائدہ معلوم ہوا۔"

"یہ بات نہیں تنویر صاحبہ نے پچاس روپئے نقد زر ضمانت جمع کرایا ہے۔" اخلاق صاحب نے بتایا۔ "کسی دولت مند باپ کی بیٹی معلوم ہوتی ہیں۔"

"کیوں صاحب کسی دولت مند شوہر کی بیوی کیوں نہیں۔"

"اس لئے کہ کارڈ پر خاص طور سے اپنے نام سے پہلے مس لکھا ہے۔"

"گویا قسمت آزمائی کی گنجائش باقی ہے۔" انجم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اچھا اسے چھوڑیئے یہ کتاب دوبارہ میرے نام جاری کر دیجئے اور یہ بتایئے کہ میں شام کے تین چار گھنٹے آپ کی لائبریری میں بیٹھ کر اسٹڈی کر لیا کروں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔"

"بڑے شوق سے۔ آج کل ریسرچ روم تو بالکل خالی رہتا ہے۔" اخلاق صاحب نے جواب دیا اور کتاب اٹھا کر اس پر آئندہ تاریخ

کی اسٹیمپ لگا دی۔ پھر انجم کا کارڈ نکال کر اس پر بھی اندراج کر دیا۔
"اچھا اب اجازت دیجیے۔" کتاب اٹھا کر انجم نے کرسی پیچھے کھسکائی۔
"کیوں تنویر صاحبہ سے کچھ اور چوٹیں نہیں چلیں گی۔" اخلاق صاحب نے پوچھا۔ "وہ کتاب پسند کرنے گئی ہیں آتی ہی ہوں گی۔"
"جی نہیں۔" انجم نے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "نک چڑھی لڑکیاں مجھے بالکل اچھی نہیں لگتیں۔"
مگر یہ جواب صرف اخلاق صاحب کو بہلانے کے لئے تھا کیونکہ لائبریری سے باہر نکل کر انجم کہیں گیا نہیں۔ وہیں سڑک کے دوسری جانب فٹ پاتھ پر سگرٹ سلگا کر ٹہلتے ہوئے تنویر کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ تقریباً دس منٹ کے بعد تنویر ہاتھ میں دو کتابیں لئے لائبریری سے برآمد ہوئی اور انجم کی طرف دیکھے بغیر ایک طرف چلنے لگی۔ کچھ فاصلہ دے کر انجم بھی اسی جانب چل دیا۔ تنویر نے جلد ہی اس کے تعاقب کو محسوس کر لیا۔ وہ رک گئی۔
"آپ میرے پیچھے کیوں آ رہے ہیں۔" اس نے کڑے لہجہ میں پوچھا۔
"شکریہ۔" انجم نے جلدی سے کہا۔ "مجھے خود اچھا نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ آیئے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔"
"آپ کو معلوم ہے یہ سڑک کہاں جاتی ہے۔" تنویر نے اچانک پوچھا
"آج میں اپنے شہر میں اجنبی بن گیا ہوں۔ آپ ہی بتا دیں کہاں جاتی ہے۔"

"سیدھی پولیس اسٹیشن۔" تنویر نے بڑے طنزیہ لہجہ میں کہا۔
"اس کا مطلب یہ کہ آپ وہاں جا چکی ہیں۔"
"جی ہاں جب کوئی آوارہ گرد پیچھے پڑ جاتا ہے تو جانا پڑتا ہی ہے۔"
"اب تک کتنا اسکور کر چکی ہیں۔"
"آپ کو شامل کر کے بتاؤں یا علیحدہ کر کے۔"
"گویا یہ طے ہے کہ آپ مجھے اسکور کرنا چاہتی ہیں۔" انجم مسکرایا "مگر محترمہ کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں صرف آپ کا مکان دیکھنا چاہتا تھا اور وہ بھی اس لئے کہ اگر کبھی رات کو دیر سے گھر آنے کا اتفاق ہو تو ذرا ادھر سے بچ کر نکلوں۔ آپ تو کمرے کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر دانت نکالنے لگیں گی مگر مجھے رات بھر ڈراؤنے خواب دکھائی دیتے رہیں گے۔"
"شٹ اپ۔" تنویر نے جواب دیا اور ایک دم پلٹ کر چلنا شروع کر دیا۔ اس مرتبہ انجم اس کے برابر چل رہا تھا۔
ابھی صرف آٹھ ہی بجے تھے۔ چنانچہ سڑک پر اچھی خاصی آمد و رفت تھی۔
"آپ مانیں گے نہیں۔" تنویر نے سخت لہجہ میں کہا۔
"کوشش کیجیے شاید مان ہی جاؤں۔" انجم نے جواب دیا۔ "بس ذرا دل پر جبر کرنا پڑے گا۔ جہیز میں لاکھ دو لاکھ ملنے کی امید ہو تو صورت شکل کون دیکھتا ہے۔"

سڑک پر ایک بڑے میاں سامنے سے آرہے تھے۔

"ذرا سنیئے۔" تنویر نے انہیں روک لیا۔

"آپ نے اس سڑک پر کسی پاگل لڑکی کو جاتے ہوئے تو نہیں دیکھا۔"

انجم نے ایک انگلی سر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے گھمائی۔

"میں پاگل نہیں ہوں۔" تنویر نے پیر پٹخے۔ "یہ شخص بڑی دیر سے میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔"

"چچ چچ۔" بڑے میاں نے گردن ہلائی۔ "اتنی اچھی لڑکی اور پاگل۔"

"جی ہاں۔ دیکھیے نا۔" انجم نے منہ لٹکا کر کہا۔

"کب سے ہے یہ حالت۔"

"بچپن سے ہی بہکی بہکی باتیں کرتی تھیں۔" انجم نے جواب دیا اور تنویر کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ہم تمہارے بارے میں نہیں کہہ رہے ہیں۔"

تنویر جھلا کر آگے بڑھ گئی۔

"حکیم کالے خاں کو نہیں دکھایا۔" بڑے میاں نے پوچھا۔

"جی بس وہیں لے جا رہا ہوں۔" انجم نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ مگر اسے ایک لمحہ کی دیر ہوگئی۔ چوراہہ قریب تھا اور سگنل موافق۔ تنویر لپکتی ہوئی دوسری طرف چلی گئی۔ انجم فٹ پاتھ سے نیچے اترا تو ٹریفک کانسٹبل نے سیٹی بجادی۔ سگنل کی روشنی سبز سے سرخ ہوچکی تھی اور سڑک پر بسوں، موٹروں اور رکشاؤں کا ایک سیلاب سا اس کے اور تنویر کے درمیان حائل تھا۔

انجم سگرٹ کا پیکٹ لے کر واپس آرہا تھا۔ گھر کے دروازے میں قدم رکھنے سے پہلے اچانک اس کی نگاہ اپنے کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف اٹھ گئی۔ شبانہ میز پر چڑھی ہوئی پتہ نہیں کیا کر رہی تھی۔ کھڑکی سے صرف اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ ہی نظر آرہے تھے۔ یہ وہاں کیا کر رہی ہے۔ انجم نے دل میں کہا۔ غضب ہوگیا۔ وہ ایک دم اچھل کر اندر بھاگا۔ دیوار پر بٹیری سے چلنے والا کلاک لگا ہوا تھا۔ آج ضرور اس کی شامت آئی ہے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" وہ کمرے میں گھستے ہوئے بولا۔

شبانہ گھونگھٹ اٹھائے گھڑی کا شیشہ صاف کر رہی تھی۔ آواز سنتے ہی گھونگھٹ پھر منہ پر آگیا۔ مگر نیچے نہیں اتری۔

"میں پوچھتا ہوں یہ کیا ہو رہا تھا۔" انجم نے میز کے قریب آتے ہوئے سخت لہجہ میں کہا۔

"کمرے کی صفائی کر رہی تھی۔" گھونگھٹ کے اندر سے جواب ملا۔

"میں نے تم سے کتنی مرتبہ کہا ہے کہ میرے پیچھے کمرے میں قدم مت رکھا کرو۔"

"اور ابو کہتے ہیں کہ آپ کی موجودگی میں یہاں نہ آیا کروں۔" شبانہ جیسے بڑی بے چارگی سے بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کی

بات مانوں اور کس کی بات نہ مانوں۔"

"مگر تمہیں یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" انجم نے بگڑتے ہوئے کہا۔ "تم سے کس نے کہا تھا کہ میرے کمرے کی صفائی کرو۔ ابھی کلاک نیچے گر جاتا تو کیا ہوتا۔"

"واہ۔ آپ کو اتنی سی بات نہیں معلوم۔" شبانہ نے جواب دیا۔ "اس فوراً ٹوٹ جاتا۔ یقین نہیں تو میں گرا کر دکھائے دیتی ہوں۔" اس نے ہاتھ بڑھایا۔

"ارے ارے کیا کرتی ہو۔" انجم گھبرا کر بولا۔ "پونے دو سو روپے کا کلاک ہے۔ چلو نیچے اترو۔"

مگر شبانہ نیچے اترنے کے بجائے منہ پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی۔

"آخر میں نے کیا کیا ہے جو آپ اتنا غصہ کر رہے ہیں۔" وہ روتے ہوئے بولی۔ "کل شام تو آپ بڑی محبت بھری باتیں کر رہے تھے۔"

"اچھا بابا مجھ سے غلطی ہوئی معاف کرو۔" انجم نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

"میں بابا ہوں۔" شبانہ ٹھنکی۔

"اوہو وہ تو یونہی میں نے کہہ دیا تھا۔ اب تم کسی طرح نیچے اترو۔"

"نہیں اتروں گی۔ پہلے ٹھیک ٹھیک بتایئے میں کون ہوں۔"

"تم۔" انجم نے دانت پیسے۔ "تم آفت ہو۔ قیامت ہو۔ جان کا۔"

"ہائے اللہ ایسی باتیں نہ کیجئے، ہمیں شرم آتی ہے۔" شبانہ نے جلدی سے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ایسا ہی ہے تو انگریزی میں ڈیئر یا ڈارلنگ کہہ دیا کریں پھر شرم نہیں آئے گی۔"

"اچھا اب نیچے آجاؤ شاباش۔"

"اتر تو رہی ہوں۔" شبانہ نے جواب دیا۔ اور میز کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر پیر رکھ کر نیچے اترنے لگی۔ انجم گھبرا کر اسے سنبھالنے کے لئے آگے بڑھا۔ ایک لمحہ کے لئے شبانہ بالکل اس کی آغوش میں آگئی۔ ٹھیک اسی لمحہ کسی نے دروازے پر کال بیل کا بٹن دبایا۔ گھنٹی کی تیز آواز پورے گھر میں گونجتی سنائی دی۔ انجم نے گھبرا کر کھڑکی کی جانب دیکھا۔ ایک دو تین جوڑی آنکھیں قہر آلود انداز میں اسے گھور رہی تھیں۔ اس نے ایک دم شبانہ کو چھوڑ دیا۔ وہ بھد سے نیچے گری اور گرتے ہی اٹھ کر دوسرے کمرے میں بھاگ گئی۔ انجم نے لپک کر کھڑکی بند کر دی۔ یہ کھڑکی وہ ہمیشہ بند ہی رکھتا تھا مگر آج شبانہ نے کھول دی تھی۔

اس نے دروازے پر غوری صاحب کی مسرت بھری آواز سنی

"آخاہ یعنی کہ بھائی وزیر احمد خاں ہیں تمہارے حساب میں وہ کہہ رہے تھے۔ "السلام علیکم بھابھی جان! آؤ برخوردار سہیل سلمہ اندر آجاؤ۔ آپ بھی آیئے نا بھابھی۔ بھائی ٹھیکیدار تم نے بڑا پریشان کیا ہے تمہارے حساب میں۔"

انجم سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اگر یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے اشتہار دیا گیا تھا تو پھر تو غضب ہو گیا۔ ان لوگوں نے اسے اور تنویر کو ایسی پوزیشن میں دیکھ لیا ہے کہ اب جو قیامت نہ اٹھے کم ہے۔ اسی کو کہتے ہیں نیکی برباد گناہ لازم۔ جو کچھ کیا دھرا تھا وہ تو برباد ہوا مفت میں بدنامی گلے پڑ جائے گی اور وہ بھی ایسے موقع پر جب محض اتفاق سے اسے تنویر مل گئی تھی۔ ایک تو ویسے ہی وہ ماش کے آٹے کی طرح اکڑی جا رہی تھی۔ اب کہیں یہ بات اس تک پہنچ گئی تو بات کرنا بھی گوارا نہیں کرے گی۔

"ارے بھئی برخوردار انجم۔" غوری صاحب بڑے خوش خوش کمرے میں داخل ہوئے۔ "وہ بھائی وزیر احمد خاں آ گئے ہیں تمہارے حساب میں۔ کہتے ہیں کہ پچھلا اشتہار تو ان کی نظر سے نہیں گذرا آج صبح سنڈے ایڈیشن میں دوسرا اشتہار پڑھ کر آئے ہیں۔"

"پھر تو بڑی خوشی کی بات ہے۔" انجم نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"خالی خولی خوشی کی نہیں مٹھائی والی خوشی کی بات ہے۔" غوری صاحب نے باچھیں پھاڑتے ہوئے جواب دیا۔ "بھائی وزیر احمد خاں اور سہیل سلمہٗ میرے کمرے میں بیٹھے ہیں بھابی سے باتیں کر رہی ہیں۔ ذرا دس بیس روپے جیب میں ہوں تو اسی بات پر سب کا منہ میٹھا کرا دوں تمہارے حساب میں۔

اتنا قرض ہے وہاں بیس روپے اور سہی۔"

"جی ہاں۔ ضرور۔ کیوں نہیں۔" انجم نے کھٹ سے بیس روپے نکال کر غوری صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ کوئی دوسرا موقع ہوتا تو شاید وہ اتنی آسانی سے نہ دیتا مگر اس وقت اس کے دل میں چور تھا اور وہ چاہتا تھا کہ یہ مصیبت جتنی جلد اس کے سر سے ٹل جائے اتنا ہی اچھا ہے۔

"جیتے رہو برخوردار۔" غوری صاحب نے دعا دی۔ "واقعی اس غریب الوطنی میں تم ہمارے لئے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوئے ہو ہم لوگ کبھی تمہارے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔"

غوری صاحب واپس اپنے کمرے میں پہنچے تو سعید بھی موجود تھا۔

"برخوردار سعید بھئی خوب موقع پر آئے۔" وہ بے تحاشا خوش ہوتے ہوئے بولے۔ "ان سے ملو یہ ہیں بھائی وزیر احمد خاں اور یہ ان کے صاحبزادے سہیل سلمہٗ۔ تمہارے حساب میں۔"

"پھر تو مبارک ہو آپ کے سر پر۔" سعید نے فوراً جواب دیا۔ "قاعدے سے تو اتنی بڑی خوشخبری بغیر مٹھائی کے سنانا ہی نہیں چاہیئے تھی۔"

وزیر احمد خاں اور سہیل نے چونک کر سعید کی طرف دیکھا غوری صاحب نے ایک قہقہہ لگایا۔

"کیا دیکھ رہے ہو بھائی۔" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ کے

سرپران برخوردار کا تکیہ کلام ہے۔ اور یہ اپنے تکیہ کلام سے ا
شرمندہ کرتے ہیں کہ کھسیا کھسیا کر رہ جاتا ہوں۔ بہر حال مجبوری
عادت پڑ گئی ہے تو اب کیا کیا جا سکتا ہے تمہارے حساب میں
وہ سعید کی طرف متوجہ ہوئے۔
"برخوردار مٹھائی لینے ہی جا رہا تھا۔ تم ان لوگوں سے با
میں ابھی آتا ہوں۔"
"غوری بھائی مٹھائی وغیرہ تو آتی رہے گی۔" وزیر احمد خاں
پہلے یہ بتائیے کہ آپ نے اپنے روپیے کی منتقلی کے لئے کیا انتظا
ہے۔ میں نے اس بارے میں آپ کو خط بھی لکھا تھا مگر آپ نے جو
ہی نہیں دیا۔"
"بھئی جواب کیا دیتا جب مجھے خط ہی نہیں ملا۔" غوری صا
نے کہا۔ "خط مل جاتا تو مجھے اتنی پریشانی کیوں اٹھانا پڑتی تمہار
حساب میں۔ تم کہتے ہو کہ تم نے اس میں اپنا موجودہ پتہ بھی تحریر کیا تھ
یہاں ٹھہرنے کے بجائے سیدھا تمہارے گھر نہ آتا۔"
"وہ تو ٹھیک ہے غوری بھائی میں نے شادی کے خیال
ذرا بڑا مکان کرایہ پر لے لیا تھا۔ بہر حال جو ہوا سو ہوا۔ ا
بتائیے کہ رقم ساتھ لے کر آئے ہیں یا کسی اور ذریعہ سے منتقل
کیا ہے۔"
غوری صاحب پہلی ہی مرتبہ اس سوال پر مضطرب نظ

تھے اب دوسری مرتبہ ان کے چہرے سے زبردستی کی مسکراہٹ بھی
غائب ہو گئی۔ پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں۔ آنکھوں میں الجھن اور
تذبذب کے تاثرات نظر آنے لگے۔ وزیر احمد خاں اور سہیل بڑے
غور سے ان کی صورت دیکھ رہے تھے۔
"کیا بات ہے غوری بھائی آپ خاموش کیوں ہیں۔"
"بات کیا ہوتی بھائی۔" غوری صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس بھری
"میرے پاس کل جمع پونجی پندرہ ہزار تھی مگر وہ یہاں آتے ہوئے کسٹم پر
چھین لی گئی تمہارے حساب میں۔ اب تو میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔
اب صاحب کو خط لکھا ہے اگر انہیں پرانی خدمات کا خیال آ گیا تو
ایک دو ہزار روپے بھجوا دیں گے۔"
"یہ کیا کہہ رہے ہیں غوری بھائی۔" وزیر احمد خاں کا منہ لٹک گیا۔
"سچ کہہ رہا ہوں بھائی۔"
"مگر۔ مگر۔ پھر آپ لڑکی کی شادی کیسے کریں گے۔"
"اب تو سب کچھ تمہیں ہی کرنا ہے بھائی۔ لڑکی تمہیں دے ہی
رہا ہوں۔ رسمی طور پر رخصتی ہی تو کرنا ہے سو تم اب اسے اپنے ساتھ
لے جاؤ۔"
"مگر آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ دس ہزار نقد جہیز میں دیں گے۔"
سہیل نے بھی زبان کھولی۔ "میں تو بڑی آس لگائے بیٹھا تھا کہ اپنا
کاروبار شروع کروں گا۔ ابا جی کی ٹھیکیداری اب پہلے جیسی نہیں رہی

آپ سے کیا پردہ۔ بڑی مشکل سے دال روٹی چل رہی ہے۔"

"ہاں غوری بھائی۔ سہیل ٹھیک کہہ رہا ہے۔" وزیر احمد خاں

تائید میں گردن ہلائی۔ "یہاں ایک سے ایک اچھا رشتہ مل رہا تھا

لوگ تو بیس ہزار لگا کر کاروبار شروع کرانے کا وعدہ کر رہے

مگر میں نے پرانی دوستی کی وجہ سے آپ کے یہاں رشتہ منظور کر

اب آپ کہتے ہیں کہ ساری رقم کسٹم والوں نے چھین لی۔ ایسی صور

میں۔ تو مجھے۔ غور کرنا پڑے گا کہ۔ یہ رشتہ۔"

"بھئی یہ باتیں اطمینان کے ساتھ تمہارے گھر چل کر بھی تو ہو

ہیں تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے جلدی سے بات

وہ سعید کے سامنے اس نازک مسئلہ پر گفتگو نہیں کرنا چاہتے تھے

تمہارے آنے کی خوشی میں مٹھائی تو لے آؤں۔"

وہ جلدی سے باہر نکل گئے۔ وزیر احمد خاں اور سہیل نے

دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"آپ کس چیز کی ٹھیکیداری کرتے ہیں آپ کے سرپر۔" سعید نے

"مکانات وغیرہ بنواتا ہوں ٹھیکے پر۔" وزیر احمد خاں نے

اور کسی قدر آگے جھک کر رازدارانہ لہجہ میں بولے۔ "سچ بتا

صاحب واقعی اپنی پونجی لٹا آئے ہیں یا ہمیں دھوکہ دینے کے

"اباجی مجھے تو یہ بڑے میاں بڑے چار سو بیس نظر آتے ہیں

نے منہ بگاڑ کر کہا۔ "نکاح کے وقت کہہ دیا کہ جو کچھ دینا ہے

دیں گے اور اب لٹنے کا بہانہ بنا دیا۔ ان کی نیت میں پہلے ہی فتور تھا

میں آپ سے سچ کہتا ہوں اگر بڑے میاں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا تو

یہیں کھڑے کھڑے ان کی بیٹی کو طلاق دے دوں گا۔ میں اپنا مستقبل

ان کی بیٹی پر قربان نہیں کر سکتا۔"

"واہ واہ کیا لاکھ روپے کی بات کہی ہے آپ کے سرپر۔" سعید

نے تعریف کی۔ واقعی آدمی کو اپنے مستقبل کے لئے سب کچھ قربان

کر دینا چاہیے۔ آپ مجھ سے پوچھتے تو میں بھی بالکل یہی مشورہ دیتا۔"

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" وزیر احمد خاں نے پھر پوچھا

"قبلہ کیا جواب دوں آپ کے سرپر۔" سعید نے ایک گہری سانس لی

میں کسٹم آفیسر ہوں آپ کے سرپر۔ یہ مکان جس میں غوری صاحب

ٹھہرے ہوئے ہیں میرے دوست انجم کا ہے۔ وہ بھی کسٹم آفیسر ہے

ہمیں تو غوری صاحب نے یہ ہی داستان سنائی تھی جو وہ آپ کو سنا

چکے ہیں۔ اب کیا حقیقت ہے آپ کے سرپر۔ یہ خدا بہتر جانتا ہے

اور میں تو کہتا ہوں کہ ان کی صاحبزادی بھی کچھ ایسی ہی نظر آتی ہیں۔"

"اچھا۔" وزیر احمد خاں کچھ اور آگے سرک آئے۔ "وہ کیسے۔"

"قبلہ پہلی بات تو یہ ہی ہے آپ کے سرپر کہ غوری صاحب نے

اپنی جوان بیٹی کو ایک تنہا کنوارے کے مکان میں رکھا ہوا ہے۔"

سعید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اگر آپ کا مکان نہیں ملا تھا تو کیا

کسی ہوٹل میں نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اب میں آپ کو کیا

بتاؤں کہ ان گناہگار آنکھوں نے کیا کیا دیکھا ہے آپ کے سر
انجم کہنے کو میرا دوست ہے مگر ایمان کی بات ہے کہ مجھے اس کی یہ حرکت
بہت ہی ناگوار گذری ہے۔"

"کیا ہوا کچھ کھل کر بات کرو نا۔" سہیل نے دلچسپی سے سوال کیا

"ابھی دو تین دن پہلے کا ذکر ہے کہ انجم اور شبانہ اکیلے پکنک
منانے گئے تھے آپ کے سر پر۔" سعید نے رازدارانہ لہجہ میں بتایا
اور پتہ ہے کہاں۔ یہاں سے بیس پچیس میل دور بالا شاہ باکو کے
مقام پر۔ میں بھی ساتھ تھا۔ غوری صاحب ناول ہی پڑھتے رہ
آپ کے سر پر اور بیٹی رات بھر غائب رہی۔ مگر خدا کے لئے کہیں
آپ لوگ انجم سے یا غوری صاحب سے نہ کہہ دیں کہ یہ باتیں
نے آپ کو بتائی ہیں۔"

"بالکل نہیں۔" وزیر احمد خاں نے فوراً وعدہ کر لیا۔ "تو کیا
لوگ رات بھر بالا شاہ باکو میں ہی رہے؟"

"ارے صاحب مجھے تو یونہی دکھانے کے لئے ساتھ لے
ورنہ حقیقت میں تو وہ ہی دونوں رہے۔ واقعہ یہ ہے قبلہ کہ جب
پہنچے تو بادل چھائے ہوئے تھے آپ کے سر پر۔ واپس ہوتے ہو
بارش بھی شروع ہو گئی۔ بڑی مشکل سے ایک غیر آباد جھونپڑی
آئی آپ کے سر پر تو وہاں جا کر پناہ لی۔ مگر اندر جا کر دیکھا تو
جگہ جگہ سے ٹپک رہی تھی۔ انجم نے بہانہ بنایا کہ بھئی یہاں

دیر تو نہیں رہ سکتے تم شہر جا کر کوئی ٹیکسی پکڑ لاؤ تو گھر واپس چلیں۔ میں کیا
کرتا مجبوراً اسی آندھی طوفان میں ٹیکسی لینے نکل پڑا آپ کے سر پر۔ ذرا
تصور کیجئے۔ اندھیری رات۔ جنگل بیابان۔ موسلا دھار بارش اور میں اسی
طوفان میں بھیگتا سرپٹ دوڑتا چلا جا رہا تھا آپ کے سر پر۔ بارش نے
تمام راستے میں کیچڑ ہی کیچڑ کر دی تھی اور سچ کہتا ہوں اتنی پھسلن تھی آپ
کے سر پر کہ قدم جمانا مشکل ہو رہا تھا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ کہیں گیدڑ بول
رہے تھے اور کہیں شیر کی دہاڑ سنائی دیتی آپ کے سر پر۔ رات میں ایک
خطرناک ڈھلان بھی پڑتی تھی۔ پھسلن اور ڈھلان دونوں ہوں آپ
کے سر پر تو آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جو کچھ بھی نہ ہو جائے کم ہے
ہر چند بڑی احتیاط سے قدم اٹھا رہا تھا مگر پھر بھی پھسل ہی گیا اور اوپر
سے جو پھسلا تو نیچے تک پھسلتا ہی چلا گیا۔ تمام کپڑے کیچڑ میں لت پت ہو گئے
دل میں آیا کہ لعنت بھیجوں آپ کے سر پر اور سیدھا گھر چلا جاؤں مگر پھر
دوستی کا خیال آ گیا۔ ٹیکسی لے کر واپس پہنچا۔ جھونپڑی میں جا کر دیکھا
تو قبلہ کیا بتاؤں وہ منظر دیکھا آپ کے سر پر کہ نگاہیں جھک گئیں۔
دونوں ایک دوسرے سے لپٹے بیٹھے تھے۔ اور اب آگے کیا عرض کروں
آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس رومانی موسم میں کیا کچھ نہ ہو گیا ہو گا
آپ کے سر پر۔"

"ٹھیک کہتے ہو میاں۔" وزیر احمد خاں سر ہلاتے ہوئے بولے۔
"ابھی آتے ہوئے میں نے اور سہیل نے کھڑکی سے دیکھا تھا کہ کمرے میں

ایک نوجوان کسی لڑکی کو آغوش میں لئے کھڑا ہے۔ پہلے محض شبہ تھا مگر اب یقین ہو گیا کہ وہ ہی دونوں ہوں گے۔"

"ابا جی اب تو میں ہرگز شبانہ کو اپنے گھر نہیں رکھ سکتا۔" سہیل نے تیزی سے کہا۔ "یہ بڑا اچھا ہوا کہ ہمیں اتنا معقول بہانہ مل گیا ورنہ آپ تو شاید دوستی کی مروت میں میرے مستقبل کو تباہ ہوتے دیکھ کر بھی خاموش ہی رہتے۔"

"میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں سہیل میاں! دنیا دیکھی ہوئی ہے۔" وزیر احمد خاں صاحب نے جواب دیا۔

اسی وقت کمرے میں ان کی بیگم بھی آ گئیں۔

"میں نے کہا۔" وہ سعید کو نظر انداز کرتے ہوئے بولیں۔ "کچھ سنا تم نے۔ ہم نے جس لڑکی کو کھڑکی میں دیکھا تھا وہ شبانہ ہی تھی۔ میں نے ساری باتیں معلوم کر لی ہیں۔ بھائی صاحب ایک ہفتہ سے اس مکان میں جوان بیٹی کو لئے اس لڑکے کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ گھر میں اور کوئی نہیں رہتا۔ دن دہاڑے یہ سب کچھ ہو سکتا ہے تو پتہ نہیں اور کیا کیا گل کھلائے ہوں گے ان دونوں نے۔ میں تو کہتی ہوں کہ ابھی سہیل سے تین طلاقیں دلواؤ اور گھر چلو۔ روپیہ پیسہ بھی کچھ ہے نہیں ہے۔"

"ٹھیک کہتی ہو سہیل کی ماں۔ غوری صاحب کو آنے دو۔ میں یہ قصہ ختم کئے دیتا ہوں۔" وزیر احمد خاں نے غصہ سے جواب دیا۔

دوسرے لمحے غوری صاحب بھی مٹھائی کا ڈبہ لئے مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

"لو بھائی وزیر احمد۔" وہ ایک گلاب جامن بڑھاتے ہوئے بولے۔ "منہ میٹھا کر لو تمہارے حساب میں۔"

"رہنے دو غوری بھائی۔" وزیر احمد خاں نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا "مجھے یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔"

غوری صاحب کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ آنکھیں پھیل گئیں۔ مٹھائی کا ڈبہ ہاتھ سے گرنے لگا تھا مگر اسے انھوں نے سنبھال کر میز پر رکھ دیا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟" انہوں نے گھبرا کر پوچھا۔

"یہ کہہ رہا ہوں کہ تمہیں ایک ہفتہ تک ایک نوجوان کنوارے کے گھر میں جوان بیٹی کو رکھتے ہوئے شرم نہیں آئی تو نہ سہی مگر میں اتنا بے غیرت نہیں ہوں۔ روپیہ پیسہ تو خیر ہاتھ کا میل ہوتا ہے۔ شاید میں تمہاری مفلسی کے باوجود انکار نہیں کرتا مگر اب ایسی آوارہ لڑکی کو بہو نہیں بنا سکتا۔"

"ذرا سوچ سمجھ کر بات منہ سے نکالو بھائی۔ میری لڑکی پر آوارگی کی تہمت لگاتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیئے۔"

"تہمت۔" وزیر احمد خاں نے تیزی سے کہا۔ "میں نے، سہیل نے اور تمہاری بھابھی نے خود اپنی آنکھوں سے انجم اور شبانہ کو ہم آغوش دیکھا ہے۔" وہ سہیل کی طرف گھومے۔

"ابھی تین طلاقیں دے دو۔ ایسی بدچلن لڑکی تمہاری بیوی بننے کے قابل نہیں ہے۔"

"میں شبانہ کو طلاق دیتا ہوں۔ میں شبانہ کو طلاق دیتا ہوں۔ میں شبانہ کو طلاق دیتا ہوں۔" سہیل نے اکڑ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ زبانی طلاق دی ہے۔ باقاعدہ طلاق نامہ کل بھجوا دیا جائے گا۔"

وہ تیز تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ وزیر احمد خاں نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔

"چلو سہیل کی ماں اب ہم سے اور غوری بھائی سے کوئی واسطہ نہیں دوستی کے تمام رشتے آج ختم ہو گئے۔"

بیگم صاحبہ نے جلدی سے برقعہ سر پر ڈالا اور وزیر احمد خاں ٹھیکیدار اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر لپکتے ہوئے غوری صاحب کی طرف ایک نگاہ ڈالے بغیر کمرے سے باہر چلے گئے۔

"یہ کیا ہو گیا پروردگار۔" غوری صاحب سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گئے۔

"جو کچھ ہوا اچھا ہی ہوا قبلہ آپ کے سر پر۔" سعید نے جواب دیا۔ "ایسے لالچی لوگ اس قابل نہیں تھے کہ شبانہ بہن ان کے گھر جا کر اپنی زندگی تباہ کر لیتیں۔"

"یہ لوگ واپس کیوں چلے گئے۔" انجم کچھ حیران سا کمرے میں داخل ہوا۔

"سہیل نے شبانہ بہن کو طلاق دے دی۔" سعید نے بتایا۔

"وہ کیوں۔؟"

"وہ غوری صاحب کی دولت پر آس لگائے بیٹھے تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ دولت باقی نہیں رہی تو انہوں نے ایک غریب لڑکی کو اپنی بہو بنانے سے انکار کر دیا۔" سعید نے جواب دیا۔ اس کے علاوہ وزیر احمد خاں اور ان کی بیگم نے تمہیں اور شبانہ کو ایک ساتھ دیکھ لیا تھا انہیں طلاق دینے کا بہانہ مل گیا۔"

"اب کیا ہو گا۔" انجم گھبرا کر بولا۔

"ہو گا کیا برخوردار تمہاری وجہ سے میری بیٹی پر تہمت لگی تمہیں ہی اس کا کوئی بندوبست کرنا ہو گا۔" غوری صاحب نے بگڑ کر کہا۔ "میں بدنامی کا یہ داغ چہرے پر لگا کر وطن واپس نہیں جا سکتا۔"

"بس بہت ہو چکا۔" انجم کو بھی غصہ آ گیا۔ "آپ وطن واپس جائیں یا نہ جائیں مگر خدا کے لئے میرا گھر خالی کر دیں۔ میں اب مزید آپ لوگوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ایک ہفتہ سے میری زندگی مستقل ایک عذاب بنی ہوئی ہے۔ ایک طرف آپ کی جاہل بیٹی میرے پیچھے لگی ہے دوسری طرف آپ نے اٹھتے بیٹھتے ناک میں دم کر دیا ہے۔"

"ارے ارے انجم یہ کیا بدتمیزی ہے۔" سعید جلدی سے بولا۔ "نہیں رکھنا چاہتے نہ سہی۔ مگر بات کہنے کا بھی ایک ڈھنگ ہوتا ہے۔ کم سے کم اتنے دن تو رکنا ہی پڑے گا کہ غوری صاحب اپنی واپسی کا کوئی انتظام کر سکیں۔ ورنہ اس پردیس میں وہ کہاں ٹھوکریں کھاتے پھریں گے

آپ کے سر پر۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے کوئی ان کا ٹھیکہ۔۔۔"

"اچھی بات ہے۔" غوری صاحب ایک دم جوش میں اٹھتے ہوئے بولے۔ "تم نے ٹھیکہ نہیں لیا ہے برخوردار تو میں بھی اتنا بے غیرت نہیں ہوں تمہارے حساب میں کہ رسوائی کا اشتہار بن کر واپس جاؤں۔ میں اس زندگی سے موت بہتر سمجھتا ہوں۔ میں ابھی اپنے گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لوں گا تمہارے حساب میں۔"

"ضرور۔ رسی کی ضرورت ہو تو اسی کمرے کی الماری میں رکھی ہوئی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے برخوردار۔" غوری صاحب نے ایک جھٹکے سے الماری کا پٹ کھولتے ہوئے جواب دیا اور نچلے خانے سے رسی نکال لی۔

سعید حیرت سے کبھی انجم کو دیکھ رہا تھا اور کبھی غوری صاحب کو۔ غوری صاحب نے رسی ہاتھ میں لے کر چھت کی طرف دیکھا۔ یہ کمرہ جس میں غوری صاحب کا قیام تھا ان کے آنے سے پہلے ڈرائنگ روم کی حیثیت سے استعمال ہوتا تھا۔ انجم نے ایک پرانا سیلنگ فین لا کر کمرے میں لگا دیا تھا حفاظت کے خیال سے۔ گرمیاں ختم ہوتے ہی اس کے پنکھ نکال کر کپڑا لپیٹ دیا جاتا تھا۔ جاڑے ختم ہو کر موسم بہار کی آمد آمد تھی لیکن ابھی اتنی گرمی نہیں پڑی تھی کہ پنکھے کا استعمال شروع ہو جاتا۔ غوری صاحب نے رسی کا پھندا بنا کر کپڑا لپٹے ہوئے پنکھے میں پھنسا دیا۔ سعید گھبرا کر اپنی

جگہ سے اٹھنے لگا تھا کہ اس کی نظر رسی پر پڑی اور وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔ انجم کچھ دیر تک ماتھے پر بل ڈالے یہ منظر دیکھتا رہا۔

"آپ خودکشی کریں یا کچھ اور مگر ایک گھنٹہ میں میرا مکان خالی کر دیں۔" وہ بولا۔

غوری صاحب نے ایک کرسی اٹھا کر عین پنکھے کے نیچے رکھ دی۔

"میں ان دھمکیوں میں آنے والا نہیں ہوں۔" انجم نے کہا۔ "سفید عشرہ کے اندر اپنا کوئی انتظام کر لیں۔"

غوری صاحب جواب دینے کے بجائے کرسی پر کھڑے ہو گئے۔

"آپ بے شک پھندا ابھی گلے میں ڈال لیں۔ مگر میں بہت تنگ آ چکا ہوں۔" انجم بڑبڑایا۔ "دو تین ہفتے سے زیادہ کسی قیمت پر نہیں رہنے دوں گا۔"

مگر غوری صاحب شاید کچھ نہیں سن رہے تھے۔ انہوں نے رسی پکڑی اور پٹی کی طرح مسلسل گردن میں لپیٹتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ رسی کا آخری سرا ان کے ہاتھ میں آ گیا۔ اسے انہوں نے یونہی چھوڑ دیا۔

"آپ کو حرام موت مرنے کا شوق ہے تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔" انجم بولا۔ "آخر آپ سوچتے کیوں نہیں۔ کوئی کب تک کسی کا بوجھ اٹھا سکتا ہے میری بلا سے آپ جو چاہیں کریں۔ میں نے کہہ دیا کہ ایک دو مہینے کے اندر آپ کو لازمی طور پر یہاں سے جانا پڑے گا۔"

"تم گواہ رہنا برخوردار سعید۔" غوری صاحب سعید سے مخاطب ہوئے

میری موت کی تمام تر ذمہ داری انجم سلیمہ کی گردن پر ہے۔"

"بالکل بالکل۔" سعید نے سر ہلایا۔ "میں گواہ ہوں آپ کے سر پر آ
اطمینان سے اپنا کام جاری رکھیں۔"

غوری صاحب کرسی پر کھڑے کھڑے اچھلے اور پھر کرسی پر آ
دو تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔

"معاف کیجئے گا۔" سعید بولا۔ "آپ کو خودکشی کا کوئی تجربہ نہیں
معلوم ہوتا۔ اس طرح تو قیامت تک اچھلتے رہیں گے اور بات نہیں بنے

"زندگی میں پہلی مرتبہ خودکشی کر رہا ہوں تمہارے حساب میں۔
غوری صاحب اچھل اچھل کر ہانپ گئے تھے۔ "تم ہی بتاؤ برخوردار مجھے
کرنا چاہیئے۔"

"کرسی کو پیروں سے نیچے گرا دیجئے۔"

"مگر جب تک میں کھڑا ہوا ہوں کرسی کو خود کیسے گرا سکتا ہوں
حساب میں۔"

"میرا خیال ہے اب کی مرتبہ اچھل کر پشت پر پیر ماریں تو ضرور
ہو گی۔"

"کس کی پشت پر۔" غوری صاحب نے تعجب سے پوچھا۔ "تم
تو مجھ سے بہت دور رہو۔"

"کرسی کی پشت پر۔" سعید نے جواب دیا۔

"کوشش کرتا ہوں خدا کرے کامیاب ہو جاؤں تمہارے حساب

"آمین۔" سعید دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ثم آمین۔"

غوری صاحب پھر اچھلے اور اسی کے ساتھ انھوں نے کرسی کی پشت
پر لات مارنا چاہی۔ کرسی تو نہیں گری البتہ لات مارنے کی کوشش میں
ان کا توازن بگڑ گیا۔ رسی کو ایک جھٹکا سا لگا اور دوسرے لمحہ وہ بڑے
آرام سے کرسی میں بیٹھے ہوئے رسی کے ٹوٹے ہوئے سرے کو دیکھ رہے
تھے۔ الماری میں چوہوں نے جگہ جگہ سے رسی کو کتر دیا تھا۔

سعید جلدی سے اٹھ کر ان کے پاس پہنچا۔

"آپ نے دیکھا۔ ابھی اللہ میاں آپ کی رسی دراز ہی رکھنا چاہتا ہے"
وہ ان کی گردن سے رسی کھولتے ہوئے بولا۔ "لعنت بھیجئے خودکشی پر
یہاں اچھے لڑکوں کی کمی نہیں ہے آپ کے سر پر۔ جہاں تک بدنامی وغیرہ
کا تعلق ہے تو آپ خواہ مخواہ ان جھوٹے لوگوں کی بات پر یقین کر بیٹھے
وہ تو کسی بہانے کی تلاش میں تھے۔ کچھ کہنے کو نہ ملا تو یہ کہہ دیا۔ ذرا یہ بھی
تو غور کیجئے کہ اسی بہانے یہ سیر بھر مٹھائی مل گئی آپ کے سر پر۔"

اس نے ایک گلاب جامن اٹھا کر غوری صاحب کے منہ میں
رکھ دی۔

"آپ تو آرام سے ناول پڑھیئے اور مٹھائی کھائیے۔ کہتے ہیں کہ
لڑکے لڑکی کا جوڑا آسمان سے ہی اترتا ہے آپ کے سر پر۔ وہ نیلی چھتری
والا خود کوئی بندوبست کر دے گا۔ آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔"

کہتے تو ٹھیک ہو برخوردار۔" غوری صاحب منہ چلاتے ہوئے بولے

"واللہ مزہ آگیا تمہارے حساب میں۔ ایک تم بھی کھا کر دیکھو کیا لذیذ گلاب جامنیں ہیں۔ کڑھائی سے گرم گرم نکلوا کر لایا تھا۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" انجم نے منہ بناتے ہوئے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"برخوردار اب تم لاحول پڑھو یا کچھ اور۔" غوری صاحب نے دوسری گلاب جامن اٹھاتے ہوئے آواز لگائی۔ دو تین جینے کی مہلت تم مجھے دے ہی چکے ہو۔ میں سب سن رہا تھا۔

انجم نے دور ہوتی ہوئی ٹرین کو دیکھا اور اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔ پہنچا ہی تھا کہ سعید ادھر ادھر جیسے کسی تلاش میں نظریں دوڑاتا باہر نکلا۔ انجم کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف لپکا۔

"کہاں غائب ہو جاتے ہو۔" وہ قریب آتے ہوئے بولا۔ "میں تمہارا ملازم نہیں ہوں کہ بار بار صاحب بہادر کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہوں۔"

"کیا بات ہے۔؟" انجم نے پوچھا۔

"بات کیا ہوتی۔ تین مرتبہ فون آچکا ہے۔"

"کس کا۔" انجم نے چونک کر پوچھا۔ "بڑے صاحب کا تو نہیں"

"آواز تو کسی صاحبہ کی معلوم ہوتی ہے۔" سعید نے بتایا۔

ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج کل آفس کے فون کا کوئی بھروسہ نہیں۔ صبح بھائی صاحب نے مجھے فون کیا۔ میں سمجھا کہ تمہاری ہونے والی بھابھی کا فون ہے۔ خوب الٹی سیدھی باتیں کرتا رہا۔ جب اچھی طرح محبت بگھار چکا تو بھائی صاحب کی آواز سنائی دی کہ اچھا صاحبزادے تو شادی سے پہلے یہ گل کھلا رہے ہو۔ ابھی ابا جان سے کہتا ہوں۔ بڑی خوشامد درآمد کر کے انہیں منایا۔ کچھ دیر کے بعد نرگس نے فون کیا۔ میں نے ریسیور رکھا کر کان سے تو لگا لیا مگر بولا نہیں کہ پہلے ادھر کی آواز سن لوں۔ بڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر اچانک نرگس بولی۔ تو اب فون پر بھی بات کرنا گوارا نہیں ہے۔ اتنی دیر سے ریسیور پکڑے کھڑی ہوں اور صاحب بہادر ہیلو تک نہیں کہہ سکتے۔ میں گھبرا کر صورت حال کی وضاحت کرنا چاہی تو اس نے ایک دم سے ریسیور رکھ دیا۔"

"تو اس میں فون کا کیا قصور ثابت ہوا۔"

"نہ ہوا مگر کچھ گڑبڑ ہے ضرور۔" سعید نے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا "پھر بتاؤں گا پہلے تم فون سن لو۔"

لاحول ولاقوۃ اتنی دیر سے اپنی کتھا سنائے جا رہے ہو۔ یہ نہیں بتاتے کہ اس وقت بھی فون آیا ہوا ہے۔" انجم نے جلدی سے دفتر میں داخل ہو کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" انجم نے کہا۔ "میں انجم بات کر رہا ہوں۔ کون صاحب ہیں"

"ہائے۔ بہت دیر کی مہرباں آتے آتے۔" آواز نہ صرف کسی

لڑکی کی تھی بلکہ بیحد سریلی بھی تھی۔ "کوئی یہاں تین تین مرتبہ آپ کو فون کرتا ہے۔ پانچ پانچ منٹ ریسیور لیے بیٹھا رہتا ہے تب کہیں جاکر آپ کی آواز سننے کو ملتی ہے۔ سچ کہا ہے کسی نے ناز والے نیاز کیا جانیں۔" معاف کیجیے میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" انجم کچھ حیران سا تھا اسے شبہ ہو رہا تھا کہ یہ کہیں تنویر نہ ہو۔

"ہاں صاحب آپ ہمیں کیوں پہچانیں گے۔" جواب ملا۔ "ویسے بقول احسان دانش ساری دنیا مجھے پہچانتی ہے۔ کوئی مجھ سا بھی نہ تنہا ہوگا اور اب بھی آپ کی سمجھ میں نہ آیا ہو تو اس انداز دلربائی کے قربان جایئے ہم کشتگانِ ناز ہیں پہچان جایئے۔"

"آواز سے شبہ ہوتا ہے کہ آپ تنویر ہیں۔" انجم نے الجھتے ہوئے کہا "لیکن باتیں اتنی گھٹیا کر رہی ہیں کہ یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"میں تنویر نہیں تصویر ہوں۔ یعنی حقیر و پرتقصیر ہوں۔ آپ کی زلف گرہ گیر کی اسیر ہوں۔ مگر نہیں۔ آپ لوگوں کی تو شاید زلفیں نہیں ہوا کرتیں۔ کم سے کم آج کل نہیں ہوتیں۔ دیر تک کوشش جاری رہی تو مستقبل میں شاید ہونے لگیں۔ اس لیے سرِ دست آپ کے ماتھے پر بکھری ہوئی آوارہ لٹوں کی اسیر ہوں۔ اور جانِ بہار محبوب ستم شعار جہاں تک گھٹیا باتوں کا تعلق ہے تو میں نے اکثر نوجوانوں کو لڑکیوں کا پیچھا کرتے یا خط لکھتے وقت اس سے زیادہ گھٹیا اشعار پڑھتے دیکھا محترمہ تصویر صاحبہ میں زیادہ دیر تک اس گفتگو کا متحمل نہ

ہو سکتا۔ صاف صاف بتایئے آخر آپ چاہتی کیا ہیں۔" انجم نے کسی قدر غصہ سے کہا۔

"ہائے اللہ کتنے بے شرم ہیں آپ۔ صاف صاف اپنی محبت کا اقرار کرانا چاہتے ہیں۔ جایئے ہم آپ سے نہیں بولتے۔"

"شکریہ محترمہ! میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔"

"ایں۔ کیا آپ کو اس بات سے خوشی نہیں ہوئی کہ ایک حسین لڑکی آپ سے محبت کرتی ہے۔"

"اگر آپ مجھ سے نفرت کرنے لگیں تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔ اچھا خدا حافظ۔"

"ارے۔ ارے سنئے تو سہی۔ ابھی ریسیور نہ رکھیے گا۔" لڑکی نے جلدی سے کہا۔ "کیا میری آواز سریلی نہیں۔ کیا اسے سنکر آپ کے کانوں میں چاندی کی گھنٹیاں نہیں بجیں۔"

"آواز آپ کی واقعی سریلی ہے۔" انجم نے جواب دیا۔ "مگر باتیں بڑی بے سری کر رہی ہیں۔"

"میری آواز سنکر آپ کے دل میں بے اختیار مجھے دیکھنے کا جذبہ پیدا نہیں ہوا۔"

"ہوا تو ہے۔" انجم نے ایک گہری سانس لی۔ "سوچ رہا ہوں کاش آپ سامنے ہوتیں اور میں۔۔۔"

"ہاں ہاں۔" بے تابانہ انداز سے بات کاٹتے ہوئے پوچھا گیا۔

"اور آپ کیا۔۔۔"

"اور میں آپ کی کان گوشی کر سکتا۔" انجم نے بات پوری کر دی۔

"جی۔" جیسے چونک کر کہا گیا۔

"جی ہاں۔ آپ جیسی لڑکیوں کا تیر بہدف علاج ہے۔"

"آپ نے مجھے بڑا مایوس کیا انجم صاحب۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ

دیکھنے کے لئے گولڈن کلب ضرور آئیں گے۔"

"اگر آپ اتنی ہی بے چین ہیں تو ضرور آجاؤں گا۔"

"سچ"

"بالکل سچ"

"مجھ سے محبت کرنے کے لئے۔" لہجہ کچھ غیر یقینی سا تھا۔

"جی نہیں آپ کی مرمت کرنے کے لئے۔" انجم نے جواب دیا۔

ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"کون تھی۔؟" سعید نے دلچسپی سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" انجم نے لاپرواہی سے ہینگر میں لٹکا ہوا کوٹ

ہوئے جواب دیا۔ "اپنا نام تصویر بتا رہی تھی۔"

"تصویر۔ کتنا رومانٹک نام ہے۔" سعید نے چٹخارا سا

"پھر کیا کہہ رہی تھی۔"

"کہہ رہی تھی کہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" انجم مسکرایا۔

"دھت تیرے کی۔" سعید نے منہ بنایا۔ "کیا اللہ میاں نے

لڑکیاں تمہاری ہی تقدیر میں اتاری ہیں۔"

"نرگس کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"ارے وہ کوئی لڑکی ہے۔" سعید نے ہاتھ لہرایا۔ "وہ تو نرگس ہے۔ زیادہ سے زیادہ تم اسے اپنی بھابھی کہہ سکتے ہو۔"

"میں نے نوٹ کر لیا ہے۔ کبھی ملنا ہوا تو نرگس کو ضرور بتاؤں گا۔" انجم نے کوٹ پہنتے ہوئے جواب دیا۔

"ارے ارے۔" سعید گھبرایا۔ "یار تم مذاق ہی مذاق میں سیریس کیوں ہو جاتے ہو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اور کیا کہہ رہی تھی وہ۔"

"اور کہہ رہی تھی کہ اگر جلوہ دیکھنا ہو تو آج شام گولڈن کلب میں آجانا۔"

"واقعی۔" سعید اچھل پڑا۔ "تو پھر چل رہے ہو۔"

"میں تمہاری طرح دل پھینک نہیں ہوں۔"

"اچھا تو میں چلا جاؤں تمہاری جگہ۔ اجازت ہے۔"

"سر کھجا رہا ہے تو ضرور چلے جاؤ۔" انجم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں تصویر نام کی کسی لڑکی سے واقف نہیں ہوں۔ یہ کوئی شرارت بھی ہو سکتی ہے۔"

"جب نکالو گے کوئی فال بد ہی منہ سے نکالو گے۔" سعید نے منہ بنایا۔

"اچھا اب چل رہے ہو یا میں جاؤں۔" انجم نے دروازے کی طرف قدم بڑھایا۔

"گولڈن کلب نا۔" سعید نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"جی نہیں۔ گھر۔" انجم نے جواب دیا اور آفس سے باہر نکل آیا۔ سعید اس کے پیچھے تھا۔

"یہ تم آج کل آفس سے چھوٹتے ہی گھر کیوں بھاگنے لگے ہو۔" اس نے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔ "کہیں سچ مچ شبانہ سے رومان تو نہیں چل رہا ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ یار تمہیں کتنی مرتبہ بتایا کہ وہ نہایت بدصورت اور گنواری لڑکی ہے۔ پتہ نہیں کب اس مصیبت سے چھٹکارا نصیب ہوگا۔"

"یہ بات ہے تو گھر جانے کی اتنی کیا جلدی ہے۔"

"میں آج کل شام کے وقت دو تین گھنٹے لائبریری میں اسٹڈی کرتا ہوں۔" انجم نے جواب دیا۔

"تمہارے پاس دس بیس روپیے ہوں گے۔" اچانک سعید نے کہا "تنخواہ ملتے ہی واپس کر دوں گا۔"

"کیا کرو گے۔"

"کچھ کام ہے۔" سعید نے ٹالتے ہوئے کہا۔

"سمجھ گیا۔" انجم مسکرایا۔ "کلب جائے بغیر نہیں مانو گے کیوں۔"

"یہ بات نہیں۔" سعید نے جلدی سے کہا۔ "مجھے کچھ دوسری ہی ضرورت ہے۔"

"بہرحال پہلی ضرورت ہو یا دوسری۔ آج کل اپنی جیب بالکل خالی ہے

البتہ کل شام جتنے چاہو لے لینا۔"

"جب آج نہیں ہیں تو کل شام کہاں سے آ جائیں گے۔"

"کل سترہ تاریخ ہے نا۔"

"تو پھر کیا ہوا۔"

"کل انعامی بانڈز کے نمبر اخبارات میں شائع ہوں گے۔"

"اور بیس ہزار کا پہلا انعام تمہارے حصہ میں آئے گا۔" سعید نے کچھ طنزیہ لہجہ میں کہا۔

"بالکل۔ تم دیکھ لینا۔"

"یہ تو تم گذشتہ سال بھر سے کہتے چلے آ رہے ہو۔"

"مگر اس مرتبہ پہلا انعام ضرور نکلے گا۔ میرا دل کہہ رہا ہے۔"

"یہ بھی تم گذشتہ سال بھر سے کہہ رہے ہو۔"

"اب کی بار میں نے خواب بھی دیکھا تھا۔"

"یہ بات بھی۔۔۔"

"گذشتہ ایک سال سے نہیں کہہ رہا ہوں۔" انجم نے بات کاٹی "خواب دیکھتے ہوئے صرف چھ ماہ ہوئے ہیں۔"

"تو پھر اب تک پہلا انعام کیوں نہیں نکلا۔"

"اب تک میں خواب میں اپنے آپ کو انعام وصول کرتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔" انجم نے بتایا۔

"اور اس مرتبہ۔" سعید نے پوچھا۔

"اس مرتبہ میں نے دیکھا کہ جیسے میں انعام دے رہا ہوں۔" انجم نے جواب دیا۔ "اور جانتے ہو کسے۔"

"میرے سوا تمہارے خوابوں میں کون آسکتا ہے۔" سعید نے جلدی سے کہا۔ "لاؤ اسی بات پر بیس روپے ڈھیلے کرو سیدھے ہاتھ سے۔"

"نہیں۔ وہ تم نہیں تھے۔"

"پھر کون تھا۔"

"بات بڑی عجیب سی ہے۔" انجم نے بتایا۔ "مگر میں نے دیکھا کہ جیسے میں غوری صاحب کو بیس ہزار کا پہلا انعام دے رہا ہوں۔"

شبانہ نے پانی سے بھرا ہوا گلاس انجم کی طرف بڑھایا تو انجم نے گلاس کے بجائے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"چھوڑیئے میرا ہاتھ۔" وہ کسی قدر ناگواری سے بولی۔

"اوہو۔ اب ہاتھ پکڑنا بھی گوارا نہیں ہے۔" انجم نے طنز کیا۔ "شاید اس لئے ناراض ہو کہ میری آڑ لے کر سہیل نے تمہیں طلاق دے دی۔"

"نہیں۔ میں اسے بھی آپ کا ایک احسان ہی سمجھتی ہوں۔" شبانہ کا جواب بڑا عجیب تھا۔

"کیا مطلب۔" انجم نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ "تم یہ تو کہنا نہیں چاہتیں کہ تم اپنی شادی سے خوش نہیں تھیں۔"

"یہ ہی بات تھی۔" شبانہ نے پانی کا گلاس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے شروع سے احساس تھا کہ ان لوگوں کی نظر ابو کی دولت پر ہے۔"

"گویا تمہیں اس طلاق سے کوئی افسوس نہیں ہوا۔"

"بالکل نہیں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔"

"بڑی عجیب لڑکی ہو تم۔" انجم کچھ سوچ رہا تھا۔ "اچھا ہاتھ پکڑنے پر کیوں بگڑ گئیں۔ پہلے تو مجھ سے بہت محبت بگھارتی تھیں۔"

"وہ ایک مجبوری تھی۔"

"مجبوری۔" انجم چونکا۔ "کیسی مجبوری۔"

"میرا خیال تھا کہ آپ عام نوجوانوں کی طرح اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔"

"کیا۔" انجم نے حیرت سے شبانہ کے گھونگھٹ سے چھپے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔ "فرض کرو میں یہی کرتا تو پھر۔"

"تو پھر یہ کہ مجھے اندازہ تھا کہ سہیل ابو کی دولت کسٹم پر چھن جانے کی خبر سنکر گلو خلاصی کی فکر میں ہوگا۔ مگر شاید ٹھیکیدار صاحب پرانی دوستی کے خیال سے خاموش رہیں۔ میں ان لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا چاہتی تھی۔ مگر پتہ نہیں کیوں آپ کا ردعمل بڑا مایوس کن تھا۔ اگر میں ان لوگوں کو کھڑکی سے آتے دیکھ کر گرنے کا بہانہ نہ کرتی تو آپ نے تو میری ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا تھا۔"

"بڑی عجیب لڑکی ہو تم۔" انجم نے دوبارہ کہا۔ اور گلاس اٹھا کر

پانی پینے لگا۔

"اگر آپ کھانا کھا چکے ہوں تو میں ٹرے اٹھا کر لے جاؤں۔" شبانہ نے پوچھا۔

"ہاں لے جاؤ۔" انجم کسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔

شبانہ نے کھانے کی ٹرے اٹھائی دروازے کی طرف چلی۔ کچھ سوچ کر گھوم کر انجم کی طرف دیکھا۔

"آپ نے اس وقت میرا ہاتھ کیوں پکڑا تھا۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"اوہ ہاں۔" انجم اپنے خیالات سے چونکا۔ "میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ کل صبح اخبار پہلے میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ مسکرایا۔

"جب سے غوری صاحب نے قبضہ کیا ہے اخبار کبھی صحیح وسالم حالت میں مجھ تک نہیں پہنچتا۔"

"میں ابو کی بعض باتوں کے سلسلہ میں آپ سے شرمندہ ہوں۔" شبانہ نے افسردگی سے جواب دیا۔ "اپنے وطن میں ہمارے حالات یہ نہیں تھے وہ جن باتوں کے عادی رہے ہیں اب اس عمر میں چھوڑنا مشکل ہے۔ آپ اطمینان رکھیں کل سے اخبار پہلے آپ کے ہاتھوں میں آیا کرے گا۔"

شبانہ یہ کہہ کر کمرے سے چلی گئی۔ انجم اپنے خیالات میں کھویا ہوا بہت دیر تک جاگتا رہا۔ آج چھ سات دن ہو گئے تھے مگر تنویر اس دن

کے بعد سے لائبریری میں نظر نہیں آئی تھی۔ اس نے اخلاق صاحب سے بھی معلوم کیا تھا اور انھوں نے بھی یہ ہی بتایا کہ اس روز کے بعد وہ ابھی تک کتابیں واپس کرنے بھی نہیں آئی ہے۔ مگر یہ کہ دو کتابیں لے گئی تھی۔ پڑھنے میں کچھ وقت تو لگتا ہی ہے۔ شاید آج کل میں آنے والی ہو۔ پتہ نہیں اس دن تعاقب کرنے کے سلسلہ میں وہ ناراض نہ ہو گئی ہو۔ حالانکہ انجم کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اس کے گھر اور گھر والوں کے حالات معلوم کر کے ممکن ہو سکے تو اپنی والدہ کے ذریعہ شادی کا پیام دے۔

دوسرے دن صبح انجم منھ ہاتھ دھو کر کمرے میں واپس آیا تو ناشتہ کی ٹرے کے قریب ہی اخبار بھی رکھا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے اخبار اٹھا کر ورق گردانی شروع کر دی۔ انعامی بانڈز کی فہرست دوسرے صفحہ پر دی گئی تھی۔ انجم نے اخبار کا دوسرا صفحہ سامنے رکھا اور میز کی دراز سے نوٹ بک (جس میں اس نے بانڈز کے نمبر نوٹ کر رکھے تھے) نکال کر نمبر چیک کرنے لگا۔ اس کے پاس دس روپئے والے دس انعامی بانڈ تھے۔ ابھی وہ پانچویں نمبر تک ہی پہنچا تھا کہ اچھل پڑا۔

"سات تین ایک ایک پانچ چھ۔" اس نے ایک ایک عدد چیک کیا "زندہ باد" بے اختیار اس نے اخبار کے دوسرے صفحہ کو چوم لیا۔ قسمت سچ مچ مہربان ہو گئی تھی۔ اس کا پہلا انعام نکل آیا تھا۔ بیس ہزار نقد کا پہلا انعام۔

وہ لپک کر بک شیلف کے قریب پہنچا۔ آپ ہی آپ اس کے

ہونٹوں پر ایک شریر مسکراہٹ آگئی۔ سعید نے انعامی بانڈوں کی تلاش میں الماریاں، میز کی درازیں، کوٹ کی جیبیں اور پتہ نہیں کہاں کہاں تلاشی لے ڈالی تھی۔ مگر اسے کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں آیا کہ انجم جن کتابوں کو سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہے ذرا ان میں بھی جھانک لے۔ دس انعامی بانڈ انجم نے دس ہی کتابوں کے کور میں چھپا کر رکھ دیئے تھے۔ اور ہر بانڈ کے نمبر کا پہلا اور آخری عدد کتاب کے اوپر لکھ دیا تھا۔ اس نے ایک شیلف پر نگاہ ڈالی۔ کتابیں کچھ کم معلوم ہو رہی تھیں۔

"تیرہ۔ پچیس، چھیالیس۔" اس نے کتابوں کے کور پر لکھے ہوئے نمبر پڑھنا شروع کیے۔ "بتیس۔ تریپن۔ پچپن۔ اکسٹھ۔ سرسٹھ۔" انجم کا دل دھک سے رہ گیا۔ بہتر اور چھیتر نمبر کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے دوبارہ بڑی احتیاط سے نمبر دیکھے۔ مگر آٹھ ہی کتابیں تھیں۔ نمبر والی نویں اور دسویں کتاب شیلف سے غائب تھی۔

"غوری صاحب۔" اس نے چونکتے ہوئے کہا۔ "ضرور غوری صاحب کتاب لے گئے ہوں گے۔ ان بڑے میاں نے تو سچ مچ ناک میں دم کر دیا ہے۔"

انجم تقریباً بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ غوری صاحب اپنے کمرے میں ناشتہ کر رہے تھے۔ آہٹ سنکر انھوں نے نگاہ اٹھا کر انجم کی طرف دیکھا

"اچھا ہوا برخوردار تم خود ہی آ گئے۔" وہ چائے کی پیالی رکھتے ہوئے بولے۔ "ورنہ ابھی میں آنے والا تمہارے حساب میں۔ یہ شبانہ

کہہ رہی تھی کہ تم نہیں چاہتے کہ پہلے میں اخبار پڑھوں۔"

"میں نے آپ سے کہا تھا۔" انجم نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "کہ الماری میں سے جتنی چاہیں کتابیں نکال کر پڑھیں مگر میرے بک شیلف کو ہاتھ نہ لگائیں۔"

"ہاں کہا تو تھا۔" غوری صاحب دوسری طرف دیکھنے لگے۔

"مگر اس کے باوجود آپ شیلف سے کئی کتابیں اٹھا لائے ہیں۔"

"کئی تو نہیں صرف چار یا پانچ کتابیں لایا تھا تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"تو براہ کرم وہ کتابیں واپس کر دیں۔ مجھے ان کی شدید ضرورت ہے۔"

"ایک دم پانچ کتابوں کی کیا ضرورت پڑ گئی۔"

"آپ کو اس سے کیا مطلب؟ کتابیں میری ہیں۔ آپ مجھے واپس کر دیں۔"

غوری صاحب کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ اٹھے۔ الماری کھولی اوپر کے خانے سے تین کتابیں اٹھائیں اور لا کر انجم کے ہاتھ میں دیدیں۔

"یہ لو برخوردار۔" انھوں نے کہا۔ "مگر تمہاری یہ بات مجھے کچھ اچھی نہیں لگی۔ کتابیں میرے پاس رکھی ہیں تو تمہارے حساب میں اور تمہارے پاس رکھی ہیں تو تمہارے حساب میں۔ آخر ہیں تو گھر ہی میں۔"

"یہ تو صرف تین ہی ہیں۔" انجم نے دھڑکتے دل سے دیکھا چھیتر نمبر والی کتاب ان میں بھی نہیں تھی۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ جو دو کتابیں کم تھیں

وہ "عذرا" اور "عذرا کی واپسی" تھیں۔ رائڈر ہیگرڈ کے دو ناولوں کا سب سے پہلا اردو ترجمہ جو اب تقریباً نایاب تھا۔

"باقی دو بھی یہیں کہیں رکھی ہوں گی۔" غوری صاحب نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ "ابھی انہیں لے جاؤ۔ شام تک وہ بھی تلاش کر دوں گا تمہارے حساب میں۔"

"مجھے ابھی ان کی ضرورت ہے۔" انجم نے بڑھتے ہوئے غصہ کیساتھ کہا۔

"تو میں ذرا ناشتہ تو کر لوں۔"

"ناشتہ پھر کر لیجئے گا پہلے کتابیں تلاش کر کے دیدیں۔" انجم نے تیزی سے کہا۔ "ان کے نام عذرا اور عذرا کی واپسی ہیں۔"

"عذرا اور عذرا کی واپسی۔" غوری صاحب نے خیال انگیز لہجہ میں دہرایا۔

"وہ تو شاید میں نے کسی کو پڑھنے کے لئے دیدی ہیں تمہارے حساب میں۔"

"کسے دیدی ہیں۔"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔" غوری صاحب نے جیسے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے پڑوس کے میر صاحب لے گئے ہوں۔ ممکن ہے میرے بکس میں رکھی ہوں۔"

"تو اٹھ کر دیکھ کیوں نہیں لیتے۔" انجم جھلا کر بولا۔

"برخوردار میں ناشتہ چھوڑ کر اٹھنے کا عادی نہیں ہوں تمہارے

حساب میں۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔ "کوئی بہت ہی ضروری بات ہو تو دوسری بات ہے۔ مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر تمہیں اچانک ان دو کتابوں کی کیا ضرورت آپڑی ہے۔"

"یہ میں بہتر سمجھ سکتا ہوں۔" انجم انعامی بانڈ کا راز کھولنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

"تو برخوردار میں کچھ اتنا ناسمجھ نہیں ہوں۔ ذرا سمجھانے کی کوشش کرو۔ شاید میں بھی سمجھ جاؤں۔" غوری صاحب نے ایک پورا توس منہ میں بھرتے ہوئے جواب دیا۔

"افوہ۔ آپ کیوں مجھے پریشان کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"میں پریشان کرنے پر تلا ہوا ہوں یا تم۔"

"تو آپ اٹھ کر کتابیں دے کیوں نہیں دیتے۔"

"اور تم مجھے وجہ کیوں نہیں بتا دیتے۔"

"تو آپ وہ کتابیں نہیں دیں گے۔"

"دینے سے کب انکار کیا ہے۔" غوری صاحب منہ چلاتے ہوئے بولے۔ "مگر برخوردار وجہ بھی تو معلوم ہو۔"

"اچھا مجھے بتا دیجئے کس بکس میں رکھی ہیں۔ میں خود نکال لوں گا۔"

"سارے بکس الٹ پلٹ کر کے رکھ دو گے برخوردار یہ بھی تو یقینی نہیں کہ کسی بکس میں ہی رکھی ہیں۔ ممکن ہے میر صاحب لے گئے ہوں تمہارے حساب میں یا پھر ممکن ہے۔ میں کہیں اور رکھ کر بھول

گیا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" انجم آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "میں خود ہی دیکھے لیتا ہوں۔"

غوری صاحب اطمینان سے ناشتہ کرتے رہے اور انجم نے پورا کمرہ چھان مارا۔ الماری میں، بستر میں، میز پر، اس کی تمام درازوں میں مگر کتابیں کہیں نہیں ملیں۔ آخر وہ سوٹ کیس کی طرف متوجہ ہوا۔

"برخوردار تالا لگا ہے تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے سر ہلایا۔ انجم نے دیکھا سوٹ کیس واقعی مقفل تھا۔

"چابی لائیے۔"

"چابی شبانہ کے پاس ہے۔"

انجم تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ شبانہ باورچی خانہ میں تھی۔

"تمہارے پاس غوری صاحب کے سوٹ کیس کی چابی ہے۔" انجم نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ ابو کے سوٹ کیس کی چابی ان ہی کے پاس رہتی ہے۔" شبانہ نے جواب دیا۔

انجم جانے کے لئے گھوما۔ کچھ خیال آیا۔ رک گیا۔

"تم نے میری دو کتابیں عذرا اور عذرا کی واپسی تو کہیں نہیں دیکھیں۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں تو۔ کہاں رکھی تھیں۔"

"میرے بک شیلف پر۔"

"آپ نے ابو سے پوچھا۔"

"ان ہی سے پوچھ رہا ہوں۔ کچھ پوچھ چکا ہوں اور باقی پوچھنے جا رہا ہوں۔" انجم نے تیزی سے جواب دیا اور چلا گیا۔

غوری صاحب بدستور ناشتہ میں مصروف بلکہ منہمک تھے۔

"شبانہ کہتی ہے کہ چابی آپ کے پاس ہے۔" انجم نے گھورتے ہوئے کہا۔

"تو پھر میرے ہی پاس ہوگی تمہارے حساب میں۔" چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے جواب ملا۔ "مگر برخوردار ملے گی اس وقت جب تم وجہ بتاؤ گے۔"

"اگر آپ کی یہ ہی ضد ہے تو میں قیامت تک وجہ نہیں بتاؤں گا۔" انجم کا ضبط جواب دے گیا۔

"تم تو اس طرح گھبرا رہے ہو برخوردار جیسے ان کتابوں میں کوئی قیمتی خزانہ چھپا ہوا تھا۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔ "معمولی کتابیں ہی تو ہیں۔ فرض کرو نہیں بھی ملیں تو نئی خرید کر لا دوں گا تمہارے حساب میں۔"

"اول تو وہ کتابیں نایاب ہیں اور اگر کہیں مل بھی جائیں تو مجھے نئی کی ضرورت نہیں۔ اپنی وہ ہی پرانی کتابیں چاہئیں۔"

انجم گھبرا رہا تھا نہ صرف اس لئے کہ کتابیں نہیں مل رہی تھیں

بلکہ اس لئے بھی کہ اگر کہیں غوری صاحب کو شبہ بھی ہو گیا کہ ان میں سے ایک کتاب میں بیس ہزار روپے کا انعامی بانڈ رکھا ہے تو پھر اسے ان بیس ہزار روپیوں سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

"تم اطمینان سے دفتر جاؤ، ہر خوردار میں تمہاری کتابیں تلاش کر چھوڑوں گا مگر دوں گا اسی وقت تمہارے حساب میں جب تم وجہ بتاؤ گے۔"

"آپ کتابیں دے دیں میں وجہ بھی بتا دوں گا۔"

"پہلے وجہ۔" غوری صاحب نے سر ہلایا۔

"پہلے کتابیں۔"

"اوں ہنہ۔ پہلے وجہ۔"

"جی نہیں پہلے کتابیں۔"

"ناممکن۔ پہلے وجہ پھر کتابیں تمہارے حساب میں۔"

انجم کئی لمحے غوری صاحب کو غصیلی نظروں سے گھورتا رہا پھر جھلا کر دانت پیستا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"بس یار کیا بتاؤں جان جل کر رہ گئی۔" انجم نے کہا۔ "ذرا سوچو سال بھر کی دعاؤں کے بعد اللہ میاں نے بگڑی بنائی۔ پہلا انعام نکلا اور وہ بڑے میاں کتابیں دبا کر بیٹھ گئے ہیں۔"

"بھئی ایمان کی بات یہ ہے کہ مجھے ابھی تک یہ ہی یقین نہیں آتا کہ تمہارا انعام نکل آیا ہے اور وہ بھی کم نہ زیادہ پورا بیس ہزار۔" سعید نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"حد ہو گئی۔ یعنی نوٹ بک دکھا چکا ہوں، اخبار میں چھپا ہوا نمبر دکھا چکا ہوں اور اس پر بھی تمہارا کفر نہیں ٹوٹتا۔"

"اخبار تک تو خیر ٹھیک ہے مگر نوٹ بک میں اپنے ہاتھ سے نمبر لکھنے میں کیا دیر لگتی ہے۔"

"افوہ۔" انجم نے بال نوچ لئے۔ "اب میں اپنا سر تمہارے سر سے دے ماروں گا۔ مجھے کیا ضرورت تھی اتنا خطرناک جھوٹ بولنے کی۔"

"تو پرائز بانڈ دکھاؤ نا۔ ذرا میں بھی تو اس کے درشن کروں۔"

"وہ ہی تو اتنی دیر سے بتا رہا ہوں کہ میں نے دس کتابوں میں دس بانڈ ان کے کور میں چھپا کر رکھ دیئے تھے۔" انجم نے بتایا۔ "دو کتابیں غوری صاحب اٹھا کر لے گئے۔ اور انعامی بانڈ ان ہی میں سے ایک کتاب کے اندر رکھا ہے۔"

"بھیا دوستوں سے چھپا چھپا کر رکھو گے انعامی بانڈ تو یہ ہی حشر ہوگا۔"

"جی ہاں آپ کو کلبوں میں اڑانے کے لئے دے دیتا تاکہ وہ بانڈ جس پر انعام نکلا ہے آپ کہیں خرچ کر چکے ہوتے اور میں ہاتھ ملتا رہ جاتا۔" انجم نے بگڑتے ہوئے کہا۔

"ہاتھ تو اب بھی مل رہے ہو۔"

"یہ بھی تمہاری وجہ سے۔" انجم نے منہ بنایا۔ "نہ تم اس آفت کو میرے گھر لاتے اور نہ یہ دن دیکھنا پڑتا۔"

"تو آخر غوری صاحب کتابیں دے کیوں نہیں دیتے۔" سعید نے کچھ حیرانی سے پوچھا۔

"یہ ہی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ انھیں بھی اس بات کا پتہ چل گیا ہو۔"

"یہ ناممکن ہے۔ اخبار صبح سب سے پہلے میرے ہاتھ میں آیا تھا۔"

"انعامی بانڈ اس طرح تو نہیں رکھا تھا کہ کتاب کھولتے ہی نظر آجائے۔" سعید نے پوچھا۔

"میں نے بتایا نا کہ کور میں چھپا ہوا تھا۔ مگر تم نے یہ کیوں پوچھا۔"

"اس لئے کہ اگر بانڈ غوری صاحب کو نظر آگیا ہو تو پھر اس پر فاتحہ پڑھ لینا چاہیئے۔"

"کیا مطلب۔؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ وہ مٹھائی کے کتنے شوقین ہیں اور آج ان کی جیبیں بالکل خالی ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ انہوں نے بانڈ کی بھی مٹھائی نہ کھالی ہو۔"

"تمہارے منہ میں نرگس کے جوتوں کی خاک۔" انجم گھبرا کر چلایا۔

"کیا واہی تباہی باتیں منہ سے نکالتے ہو۔ دیکھتے نہیں صبح سے دلِ بیقرار کو ایک کروٹ چین نصیب نہیں ہے۔ ایسا ہوا تو میں

بڑے میاں کو اپنے ہاتھ سے پھانسی پر چڑھا دوں گا اور اس مرتبہ رسی بھی نہیں ٹوٹے گی۔"

"بچ بچا کر صرف بیس ہزار روپیے کے لئے اپنے خسر صاحب کا خون کرو گے۔"

"تمہارا انعام نکل آتا اور پھر بانڈ نہ ملتا تو پوچھتا کہ ابے یہ حال ہے۔"

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے۔" سعید نے پوچھا۔

انجم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ سعید نے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ چند لمحے سنتا رہا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"تمہارا فون ہے۔" اس نے ریسیور انجم کی طرف بڑھا دیا۔

"کون ہے۔؟" انجم نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے تو کوئی بھینس ڈکراتی ہوئی سنائی دی تھی۔" سعید نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"پھر تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ میرا فون ہے۔"

"جب سے ایک گدھے کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے جانوروں کی بولی بھی سمجھنے لگا ہوں۔"

"اسی لئے ابھی کچھ دیر پہلے فون آیا تھا تو سر ہلا ہلا کر کہہ رہے تھے سمجھ گیا بھائی صاحب۔" انجم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کوئی آدھا گھنٹہ پہلے سعید کے بڑے بھائی کا فون آچکا تھا۔

سعید جھینپ سا گیا۔

"اچھا اب آپ ریسیور لے رہے ہو یا پھر میں کہہ دوں کہ انجم صاحب کہیں گئے ہوئے ہیں۔" وہ بولا۔

"لاؤ بھئی۔ ممکن ہے ہمارے دودھ والے کی بھینس بات کر رہی ہو۔" انجم نے ریسیور لے لیا۔ "وہ غریب دو دن سے چکر لگا رہا ہے۔ مگر کانجی ہاؤس والے بغیر نذرانہ وصول کیے بات سننے پر آمادہ نہیں ہیں۔"

"ہیلو۔" انجم نے ریسیور میں کہا۔ "کون ہے۔"

"میں ہوں آپ کی تصویر۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔ انجم نے چونک کر ریسیور کان سے ہٹا لیا۔

"تم تو کہہ رہے تھے کوئی بھینس ڈکرا رہی ہے۔" انجم نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ "مگر یہ تو کوئی کڑک مرغی معلوم ہوتی ہے۔"

"میں نے کہا تھا نا۔" سعید نے سر ہلایا۔ "کہ اس فون میں کچھ گڑبڑ ہے مگر تم مانتے ہی نہیں تھے۔ سچ کہتا ہوں میں نے جب سنا تھا تو صاف بھینس کی آواز لگ رہی تھی۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا۔" ریسیور میں سے آواز آئی۔ "کہ جب آپ کھنچواتے ہیں تو کڑک مرغی نظر آنے لگتے ہیں۔ تبدیلیٔ ہیئت تک تو خیر کوئی بات نہیں تھی مگر جنس کی تبدیلی افسوسناک ہے۔"

"جی ہاں۔" انجم نے جواب دیا۔ "آپ کو افسوس نہ ہوگا تو اور

کس کو ہوگا۔"

جواب میں ایک بڑا دلکش اور سریلا قہقہہ سنائی دیا۔

"واقعی مردوں سے باتوں میں کوئی نہیں جیت سکتا۔"

"یہ تو آپ الٹی بات کہہ رہی ہیں محترمہ! اب تک تو خواتین کی زبان دانی کا ہی طوطی بولتا رہا ہے۔"

"جی ہاں۔ مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔"

"درست ہے لیکن نقارے کی چوب بھی تو آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ ذرا آہستہ بجایا کریں۔"

دیکھیے آپ نے پھر مجھے لاجواب کر دیا۔"

"بہت خوب۔ خواتین اپنی تعریف کا کوئی موقع سے ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔ مان لیا آپ لاجواب ہیں۔ چلیے آگے بولیے۔"

"آپ کل رات کلب کیوں نہیں آئے۔" ایک اور دلکش قہقہے کے بعد پوچھا گیا۔

"نو مکینسی۔ آئی ایم سوری مادام۔"

"آپ کا مطلب ہے کلب میں کوئی میز خالی نہیں تھی۔"

"میرا مطلب ہے کہ مجھے بیویوں کی فوج اکٹھی کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"یہ تو آپ نے ایک اور پہیلی سنا دی۔ اب اس کا مطلب پوچھوں گی۔"

"ضرور پوچھیے۔" انجم نے جواب دیا۔ "اس کا مطلب ہے کہ

میں اپنے لئے ایک بیوی پسند کر چکا ہوں۔"

"کون۔ شبانہ یا تنویر۔"

"آپ انہیں کیسے جانتی ہیں۔" انجم واقعی حیرت زدہ رہ گیا۔

"یہ پوچھئے کہ میں آپ کے بارے میں کیا نہیں جانتی۔"

"آپ کی معلومات حیرت انگیز ہیں۔" انجم نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ اتنا کچھ جانتی ہیں تو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔"

"میں سمجھ گئی آپ تنویر کو چاہتے ہیں۔" جواب ملا۔ "مگر آپ نے کوئی اچھا انتخاب نہیں کیا۔"

"غالباً آپ اس سے لاکھ درجہ اچھی ہوں گی۔" انجم کا لہجہ طنزیہ تھا

"بلاشبہ۔ مگر میں اس وقت کچھ اور ہی کہنا چاہتی تھی۔ تنویر انتہائی بدمزاج اور مغرور لڑکی ہے۔ اور آپ کی دسترس سے اتنی دور کہ اس کے پیچھے بھاگنا اور کسی سایے کا تعاقب کرنا برابر ہے۔ آپ اسے حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لئے کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اس کا خیال چھوڑ کر کسی ایسی لڑکی کو پسند کر لیں جسے آپ اپنا بنا سکیں"

"مثال کے طور پر آپ۔"

"مجھ سے اگر آپ کو کوئی خاص چڑ ہے تو مثال کے طور پر شبانہ۔"

"معاف کیجئے محترمہ! آپ غلط دروازے پر دستک دے رہی ہیں۔" انجم نے کہا۔ "آپ کے لئے اور دنیا کی ہر لڑکی کے لئے میرا

یہ ہی جواب ہے۔"

"ایک تنویر کو چھوڑ کر۔ یہ بھی تو کہیئے۔"

"اب آپ خود سمجھدار ہیں میں کیا عرض کروں۔"

"شکریہ۔" بالکل غیر متوقع جواب ملا اور ساتھ ہی سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ انجم نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

"کاش کوئی ہم سے بھی فون پر اتنی اتنی دیر تک باتیں کیا کرتا۔" سعید نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"کیوں۔ کیا نرگس نے طلاق دے دی تمہیں۔" انجم مسکرایا۔

"لاحول ولاقوۃ جب بولو گے الٹا ہی بولو گے۔" سعید نے منہ بگاڑا۔

"بھئی کچھ دن پہلے میں نے تمہیں اور اسے بازار میں ساتھ ساتھ دیکھا تھا۔" انجم نے کہا۔ "برا نہ ماننا۔ نرگس بڑی دبنگ لڑکی ہے۔ اگر کہیں سچ مچ تمہاری اور اس کی شادی ہو گئی تو تم دونوں میں شوہر کا لفظ اسی پر اچھا معلوم ہوگا۔"

"تم ہماری فکر چھوڑو صاحبزادے۔" سعید نے پینترا بدلا۔ "ہم دونوں باری باری میاں بیوی بن کر گذارا کر لیں گے۔ یہ بتاؤ تم نے چپکے چپکے کسے بیوی بنا لیا ہے۔ کیا شبانہ کو۔"

"استغفر اللہ۔" انجم کو ایک دم جیسے کچھ ہوش ہو گیا۔ اس فون کے چکر میں میں یہ تو بھول ہی گیا کہ بڑے میاں سے بلیس ہزار روپے کا بانڈ واپس لینا ہے۔"

"بات ٹال رہے ہو استاد۔" سعید نے سر ہلایا۔ "مگر خیر اسوقت یار لوگ ضد نہیں کریں گے۔ مال کی بات پہلے ہونا چاہیئے۔ ہاں تو تم یہ بتا رہے تھے کہ غوری صاحب سے وہ کتاب بلکہ کتابیں کس طرح حاصل کرو گے۔

انجم نے گذشتہ نصف گھنٹے کے اندر شاید پچاسویں بار دیوار پر لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھا۔ بارہ بجکر چالیس منٹ ہوئے تھے۔ غوری صاحب کے کمرے کی بتی ابھی کوئی دس منٹ پہلے بجھائی گئی تھی۔ انجم نے ایک مرتبہ پھر اپنے پلان کا جائزہ لیا۔ شام کو دفتر سے واپسی کے بعد غوری صاحب سے ایک جھڑپ اور ہو چکی تھی۔ اور انھوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ کتابیں ان کے پاس ہیں مگر وہ اس وقت تک دینے کے لئے آمادہ نہیں ہیں جب تک انجم یہ نہ بتائے کہ اسے دفعتاً ان کتابوں کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے۔ دوسری طرف انجم بھلا کتاب ہاتھ میں آئے بغیر اپنا قیمتی راز کیسے کھول سکتا تھا۔ شبانہ اس جھگڑے سے بظاہر بالکل بے تعلق سی رہی تھی مگر نہ جانے کیوں انجم نے یہ محسوس کیا۔ جیسے وہ اس صورت حال سے لطف لے رہی ہو۔ غوری صاحب نے سوٹ کیس کی چابی انجم کو دکھاتے ہوئے اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لی تھی کہ یہ چابی اس

وقت تک تمہارے ہاتھ نہیں آسکتی جب تم وجہ نہ بتاؤ۔

مکان کا نقشہ کچھ اس طرح تھا کہ دروازے سے ایک لمبی راہداری صحن تک آتی تھی۔ اس کے سامنے صحن پار کر کے باورچی خانہ غسل خانہ اور بیت الخلا واقع تھے۔ صحن کے داہنی جانب انجم کا کمرہ تھا اور بائیں جانب دو کمرے ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے جن میں آج کل غوری صاحب اور شبانہ کا قیام تھا۔ پہلے غوری صاحب کا کمرہ پڑتا تھا اور اس کے بعد شبانہ کا۔ ان دونوں کمروں کا ایک ایک دروازہ صحن کی جانب تھا اور ایک دروازہ اندر دونوں کمروں کے درمیان واقع ہوا تھا۔ گویا شبانہ کے کمرے سے غوری صاحب کے کمرے میں اور غوری صاحب کے کمرے سے شبانہ کے کمرے میں بغیر صحن کی طرف آئے جایا جا سکتا تھا۔

انجم کا ارادہ بجلی جلانے کا ہرگز نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ روشنی میں غوری صاحب کی آنکھ فوراً کھل جاتی ہے۔ اس نے ذہن میں کمرے کا نقشہ جمانے کی کوشش کی۔ صحن کے دروازے سے اندر جاتے ہی داہنے ہاتھ کی طرف کپڑوں کی الماری تھی اور اسی طرف دوسری دیوار سے لگی ہوئی میز اور کرسی۔ غوری صاحب نے اپنا پلنگ الٹے ہاتھ کی طرف ٹھیک اس دروازے کے سامنے بچھایا ہوا تھا جس سے گذر کر شبانہ کے کمرے میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔ پلنگ اگرچہ چوڑائی میں بچھا تھا مگر اس انداز سے کہ بغیر اس سے ٹکرا کر

گذرے ہوئے کوئی شبانہ کے کمرے میں نہیں جا سکتا تھا۔ صحن کی طرف کا دروازہ غوری صاحب کے حکم کے مطابق دن و رات بند رہتا تھا۔ انجم آپ ہی آپ مسکرایا۔ یہ احتیاط غالباً اس لئے کی تھی کہ کہیں وہ کسی ایسے ویسے ارادے سے شبانہ کے کمرے میں جانے کی کوشش نہ کرے۔ پتہ نہیں بڑے میاں اپنی بدصورت بیٹی کو کوہ قاف کی پری سمجھتے تھے یا کیا۔۔۔ اس نے تو دن میں بھی کبھی سنجیدگی سے شبانہ کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جوانی اندھی ہوتی ہے۔ مگر۔ انجم نے سوچا۔ اب اتنی اندھی بھی کیا ہوتی ہوگی۔

تو بائیں جانب غوری صاحب کا پلنگ شبانہ کے کمرے کی چوکیداری کر رہا ہے۔ انجم نے دوبارہ غور کرنا شروع کیا۔ اور اسی پلنگ کے نیچے وہ سوٹ کیس ہے جس میں کتابیں بند ہیں۔ چابی غوری صاحب کے تکیہ کے نیچے رکھی ہے۔ اس نے آنکھیں بند کر کے پوری ذہنی یکسوئی سے سوچا۔ راستہ میں کوئی ایسی چیز تو نہیں جس سے ٹکرانے کا احتمال ہو۔ جب وہ شام کے وقت کمرے سے واپس آیا تھا تو دونوں کرسیاں اور صوفہ سیٹ اپنی اپنی جگہ رکھے ہوئے تھے سوائے اس صورت کے کہ غوری صاحب نے کوئی کرسی گھسیٹ کر پلنگ کے قریب رکھ لی ہو۔ اور کسی چیز کے راستے میں ہونے کی امید نہیں تھی اور بظاہر کوئی ایسی وجہ نہیں تھی کہ آج ہی خاص طور سے وہ کرسی کا غیر معمولی استعمال شروع کر دیں۔ انجم کو اطمینان ہو گیا کہ صحن کے

دروازے سے سوٹ کیس تک کوئی چیز اس کا راستہ روکنے کے لئے موجود نہیں ہوگی۔

اس نے پھر کلاک کی طرف دیکھا۔ ایک بجنے میں دس منٹ تھے۔ وقت بڑی سست رفتاری سے گذر رہا تھا۔ وہ آہستہ سے اپنے پلنگ سے نیچے اترا۔ کچھ دن پہلے پلنگ میں کھٹمل مار دوائی مٹی کے تیل میں ملا کر ڈالی تھی۔ جب سے اٹھتے بیٹھتے پلنگ کی چولیں اپنے آپ کو شوقیہ گانے والوں میں شمار کرنے لگی تھیں۔ مگر انجم کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک سر بھی بلند نہیں ہوا۔ کم سے کم اترتے وقت۔ کیونکہ ابھی اس نے دوسرا ہی قدم اٹھایا تھا کہ چولوں نے ایک الاپ الاپا انجم جلدی سے یوں پیچھے ہٹ گیا جیسے اس کا قدم کسی خفیہ بٹن پر پڑ گیا ہو جس کا تعلق پلنگ سے تھا۔ ایک منٹ تک وہ بالکل ساکت کھڑا رہا پھر ذرا رخ بدل کر آگے بڑھا۔ بٹن والی بات وہم ہی سہی مگر احتیاط اچھی چیز ہے۔ ایک قدم اٹھایا اور گھوم کر پلنگ کی طرف دیکھا۔ شکر ہے اس مرتبہ کوئی تان بلند نہیں ہوئی۔ پلنگ بالکل خاموش تھا۔ وہ دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل آیا۔

صحن پار کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا اور نہ شاید ہوتا۔ بشرطیکہ اس کا پاؤں میر صاحب کی سیاہ بلی کی دم پر نہ پڑ جاتا جو روز کی طرح آج بھی چوہوں کی تلاش میں بیچ صحن میں باورچی خانے کی طرف منہ کئے بیٹھی تھی۔ میاؤں کی ایک خوفناک آواز کے ساتھ بلی نے

پلٹ کر پنجہ مارنے کی کوشش کی مگر انجم کی پھرتی قابل داد تھی۔ وہ اس سے پہلے ہی اپنے کمرے کے دروازے کی آڑ میں کھڑا دل کی دھڑکنیں شمار کر رہا تھا۔ ویسے وہ یہ بھی طے کر چکا تھا کہ اگر کل سے میر صاحب کی بلی گھر میں نظر آئے تو وہ بلی کی ٹانگیں توڑ دے گا۔ مگر اس غصہ کے باوجود اگلے پانچ منٹ تک اسے کمرے سے باہر قدم نکالنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ غنیمت یہ تھا یا بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ غوری صاحب اور شبانہ دونوں نے بلی کی صدائے احتجاج کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ دونوں کمرے بدستور تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

ٹھیک ایک بجے انجم نے دوسری مرتبہ کمرے سے قدم باہر نکالا (مگر تین چار مرتبہ جھانک کر اطمینان کرنے سے پہلے نہیں) اس بار وہ سچ مچ پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ پھونکوں کا رخ آسمان کی جانب تھا اور قدم زمین پر اٹھ رہے تھے یوں آپ انہیں پھونکیں نہ کہیں گہری گہری سانسیں کہہ لیں۔ کبھی کبھی پھونکوں اور سانسوں میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ خاص طور سے اندھیرے میں۔ وہ سوچ رہا تھا پتہ نہیں یہ صحن آج اتنا لمبا کیوں ہو گیا تھا۔ کسی طرح ختم ہونے میں ہی نہیں آتا۔

غوری صاحب کے کمرے تک پہنچتے پہنچتے انجم کو دس منٹ ضرور لگ گئے ہوں گے۔ دروازے پر ایک لمحہ رک کر اس نے آہٹ لی۔ پورے گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر آنکھیں

بند کر کے غوری صاحب کے پلنگ کی نشست کو ذہن میں تازہ کیا اور اندر قدم رکھ دیا۔ اندازے کے مطابق تقریباً چھ قدم چل کر پلنگ کی پائنتی ملنا چاہیئے تھی۔ انجم نے اندھیرے میں ہاتھوں کو ادھر ادھر حرکت دی مگر کوئی شے زد میں نہیں آئی۔ وہ ایک قدم اور آگے بڑھا۔ پھر ایک اور۔ مگر آج کی رات فاصلے کچھ طویل ہو گئے تھے دائیں بائیں اوپر نیچے ہر طرف ایک بیکراں خلا محسوس ہو رہا تھا۔ اندیشہ تھا کہ پلنگ کی ملاقات ہاتھوں کے بجائے پیروں سے نہ ہو جائے۔ چنانچہ انجم نے مزید آگے بڑھنے سے پرہیز کیا اور ایک مرتبہ پھر ہاتھوں سے ٹٹولنے کی کوشش کی۔ نیچے۔ اور نیچے۔ اور نیچے اچانک اس کا ہاتھ کسی نرم چیز سے ٹکرا گیا۔ چھو کر دیکھا تو غوری صاحب کی ناک تھی۔ لاحول ولا قوۃ۔ یوں جیسے کرنٹ لگ جائے۔ انجم نے ایک جھٹکے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ غوری صاحب یقیناً پائنتی کی طرف سرک کر سو رہے تھے۔ ورنہ دونوں طرف تو منہ ہونے سے رہا۔

انجم کو سوچنا پڑا کہ ایسی صورت میں تکیہ کہاں ہو گا۔ سرہانے یا پائنتی کی جانب۔ کہیں اس نے پہچاننے میں بھول تو نہیں کی۔ وہ ناک ہی تھی، غوری صاحب کے پیر کا انگوٹھا تو نہیں تھا۔ انجم کو شبہ سا ہو گیا۔ مگر اسمیں دوبارہ ہاتھ بڑھا کر چھونے کی ہمت نہیں تھی۔ مجبوراً اس نے ناک کے مقام کا تعین کر کے (اگر وہ ناک ہی تھی تو) پلنگ کو ٹٹولنے کی کوشش کی اور شکر ہے کہ

کامیاب بھی ہو گیا۔ پٹی محسوس کرتے ہی انجم کی انگلیاں آہستہ سے پلنگ کے اوپر رینگ گئیں۔ کوئی شبہ نہیں غوری صاحب یقیناً اسی طرف سر کر کے لیٹے تھے کیونکہ جلد ہی اس کی انگلیوں نے تکیہ کا نرم و گداز لمس محسوس کر لیا۔ اس نے اطمینان کی سانس لی یہ بھی ایک طرح سے اچھا ہی ہوا تھا۔ اب وہ مزید آگے بڑھنے کا خطرہ مول لئے بغیر تکیہ سے چابی نکال سکتا تھا۔

انگلیوں کو پیدل چلاتے ہوئے انجم نے پہلے تکیہ کی ایک جانب ٹٹولا پھر دوسری جانب۔ دوسری طرف اسے چابی مل گئی۔ اس نے محسوس کیا چابی کسی ڈوری سے بندھی ہوئی ہے۔ سانس روک انجم نے انگلیوں کو پسپائی کا حکم دیا۔ ہاتھ تکیہ کے نیچے سے نکل آیا۔ ڈوری پر ابھی تک تکیہ کا دباؤ محسوس ہو رہا تھا۔ ظاہر تھا کہ ابھی اسے آزادی نصیب نہیں ہوئی۔ انجم نے کھینچنا شروع کیا۔ ہاتھ آخری حد تک پھیل گیا۔ مگر دباؤ تو اب بھی موجود تھا۔ ڈوری کو دوبارہ تکیہ کے پاس سے پکڑ کر اس نے پھر کھینچا۔ دوسرے ہاتھ کی کمک پہنچانا ضروری ہو گئی تھی انجم نے کٹی ہوئی پتنگ کی ڈور کی طرح ہاتھ چلانا شروع کر دیئے مگر ڈوری تو کھنچتی ہی چلی آ رہی تھی۔ کیا مصیبت ہے۔ غوری صاحب نے سوٹ کیس کی چابی شیطان کی آنت میں تو نہیں باندھ دی تھی۔ انجم کے ہاتھ تھک گئے مگر دوسرے سرے کی تھاہ نہیں ملی۔

تنگ آ کر اس نے مزید کوشش ترک کر دی۔ چابی کم سے کم سوٹ کیس تک تو پہنچ ہی جائے گی۔ وہ ہاتھوں اور پیروں کے بل فرش پر جھک گیا۔ سوٹ کیس پلنگ کے نیچے ہونا چاہیئے۔ انجم نے ایک لمحہ کے لئے سوچا کہ سوٹ کیس کی تلاشی یہاں لے یا اٹھا کر اپنے کمرے میں لے جائے۔ فیصلہ کیا کہ کھول کر دیکھتے ہیں۔ کتابیں اوپر ہی مل گئیں تو خیر ورنہ سوٹ کیس اٹھا کر لیجائے۔ بغیر کامیابی نہیں ہو گی۔ اوندھے منہ لیٹ کر اس نے پلنگ کے نیچے کھسکنا شروع کیا۔ سوٹ کیس تو جلد ہی ہاتھ آ گیا مگر اس کے قفل کی تلاش میں انجم کو ذرا سا گھومنا پڑا۔ ایک ہاتھ سے قفل کے سوراخ کو ٹٹول کر اس نے چابی اندر داخل کر کے گھمائی۔ ہلکی سی کلک کی آواز نے بتایا کہ تالا کھل چکا ہے۔

پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے انجم نے چابی ایک طرف رکھی اور ڈھکنے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مگر ڈھکنا کہاں تھا اور ڈھکنے کو تو چھوڑیئے۔ سوٹ کیس بذات خود کہاں تھا۔ پلنگ کے نیچے اوندھے لیٹے لیٹے انجم نے ہاتھوں کو ادھر ادھر حرکت دی۔ یقیناً زمین کی طنابیں تو نہیں کھنچ گئی ہوں گی۔ انجم کو سوچنا پڑ گیا کہ چند لمحے قبل اس نے سچ مچ سوٹ کیس کا قفل کھولا تھا یا قفل کھولنے کا خواب دیکھا تھا وہ آگے کھسکا۔ انگلیوں کے سرے کسی چیز سے ٹکرائے۔ ٹٹولا تو سوٹ کیس تھا۔ وہ اور آگے کھسکا۔ ہاتھ بڑھایا۔ سوٹ کیس

اب بھی صرف چھونے ہی کی حد میں تھا۔ وہ کچھ اور آگے بڑھا۔ ہاتھ پھیلایا۔ سوٹ کیس اب بھی اتنے ہی فاصلہ پر تھا۔ اگلی مرتبہ کچھ زیادہ ہی کوشش کی مگر فاصلہ جوں کا توں قائم تھا۔ انجم کو غصہ آگیا جس طرح شکار پر جست لگانے سے پہلے شیر اپنے جسم کو سادھتا ہے۔ اس نے بھی سادھا اور جست لگا دی۔ چھلانگ اتنی لمبی تھی کہ انجم کے خیال کے مطابق کم سے کم اس کا سینہ سوٹ کیس سے ٹکرانا چاہیئے تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔ سوٹ کیس نے اپنا فاصلہ بدستور قائم رکھا تھا اور اس لمحہ انجم کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ سوٹ کیس بھی اس کے ساتھ آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے سردی کی ایک لہر سی سر سے پیروں تک دوڑ گئی۔ بغیر اس خیال کے کہ وہ اٹھا تو پلنگ سے ٹکرا جائے گا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور حیرت تھی کہ اس کا سر پلنگ سے بھی نہیں ٹکرایا۔ انجم نے اوسان بحال کرتے ہوئے ان غیر معمولی باتوں کی وجہ سوچنے کی کوشش کی۔ مگر سمجھ میں نہیں آیا۔ کسی قدر ہچکچاتے ہوئے اس نے قدم آگے بڑھایا۔ اور ٹھیک اسی لمحہ کمرہ روشنی سے بھر گیا۔ انجم اچھل کر کھڑا ہو گیا ایک ثانیہ کی چکاچوند کے بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ اب وہ جس کمرے میں کھڑا ہے وہ غوری صاحب کا نہیں شبانہ کا ہے۔ شبانہ صرف ایک قدم کے فاصلے پر اپنے پلنگ پر کروٹ لیے لیٹی ہے۔ غوری صاحب درمیانی دروازے کے

قریب کھڑے ہوئے اسے تیز تیز نگاہوں سے گھور رہے ہیں اور ان کا سیدھا ہاتھ ابھی تک بجلی کے بٹن پر رکھا ہوا ہے۔

"برخوردار میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ کیا حرکت ہے تمہارے حساب میں"۔ غوری صاحب انتہائی غصہ سے بولے۔ "کسی کو اپنے گھر میں پناہ دینے کے بعد اسی طرح رات کے اندھیرے میں اس کی عزت سے کھیلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔"

"مم ... مم ... میں ... میں تت ... میں تو ..." انجم بری طرح ہکلا رہا تھا۔

"جب بھائی وزیر احمد خاں نے میری بیٹی پر الزام لگایا تھا۔ غوری صاحب اپنی ہی کہے جا رہے تھے۔ "تو میں نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو سمجھا لیا تھا کہ میرے پاس دولت نہیں رہی تو انھوں نے ایک مفلس دوست کی بیٹی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اس بہانے کی آڑ لی ہے تمہارے حساب میں۔ مگر اب مجھے یقین ہے کہ وہ سچ بول رہے تھے۔ فتور ان کی نیت میں نہیں تمہاری نیت میں پیدا ہو گیا تھا۔"

"مم ... میری بات تو سنیئے قبلہ ... آپ ... آپ جو کچھ سمجھ رہے ہیں بالکل غلط ہے ... میں تو ..."

"ایک تو چوری اور اوپر سے یہ سینہ زوری تمہارے حساب میں"

غوری صاحب گرجے۔ "آخر تم رات کے ایک بجے شبانہ کے کمرے میں کیوں آئے تھے۔ میں ابھی سارے محلے والوں کو جمع کرتا ہوں۔"

اس چیخ و پکار سے شبانہ کی آنکھ بھی کھل گئی تھی۔ اور اب وہ سر جھکائے پلنگ کے ایک کنارے پر بیٹھی تھی۔ گھونگھٹ حسب معمول چہرے کو چھپائے ہوئے تھا۔

"خدا کے لئے غوری صاحب۔" انجم نے گھبرا کر ہاتھ جوڑ دیئے "کچھ میری بھی تو سنیئے۔ میں ہرگز کسی بری نیت سے نہیں آیا تھا۔"

"یہ بات اب تم محلے والوں کو سمجھانا۔"

"افوہ۔ میرے خدا۔ یہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔" انجم جیسے روئے دے رہا تھا۔ "قبلہ حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کے سوٹ کیس سے اپنی کتابیں نکالنے آیا تھا۔"

"آہا۔" غوری صاحب نے چشمے کے پیچھے گول گول آنکھیں گھماتے ہوئے بڑے طنزیہ انداز سے کہا۔ "تو میرا سوٹ کیس یہاں رکھا ہے تمہارے حساب میں۔ برخوردار! یہ چکمہ کسی اور کو دینا میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کئے ہیں۔"

"یقین کیجئے جناب میں نے آپ کے تکیہ کے نیچے سے چابی نکالی انجم نے جواب دیا۔ "آپ نے اس میں پتہ نہیں کتنی لمبی ڈوری باندھ دی تھی کہ کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتی تھی۔ تنگ آکر میں نے اسی طرح سوٹ کیس کا قفل کھولنے کا ارادہ کر لیا۔ چابی آپ اب بھی

اپنے پلنگ کے نیچے گری ہوئی دیکھ سکتے ہیں۔ میں نے سوٹ کیس کھول لیا تھا مگر جب ہاتھ بڑھا کر اس کا ڈھکنا کھولنا چاہا تو خدا معلوم کس طرح سوٹ کیس آگے سرک گیا۔ میں اس کے پیچھے چلتا ہوا ہی اس کمرہ میں آیا ہوں۔"

"برخوردار یا تو تم احمق ہو یا پھر مجھے احمق بنانا چاہتے ہو۔" غوری صاحب نے تیزی سے کہا۔ "یہ طلسم ہوشربا کا زمانہ نہیں ہے تمہارے حساب میں۔ تم کہتے ہو کہ تم سوٹ کیس کے پیچھے پیچھے اس کمرے میں آئے ہو۔ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی وہ سوٹ کیس یہاں کہاں ہے۔"

اور اس وقت انجم نے گھبرا کر فرش کی جانب دیکھا تو واقعی سوٹ کیس کیا اس کا کہیں نشان تک نظر نہیں آرہا تھا۔

"اتنا ہی نہیں تم ابھی اس کمرے میں جا کر دیکھ سکتے ہو کہ میرا سوٹ کیس وہاں رکھا ہے تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب بولے "ادھر آؤ میرے ساتھ۔ میں جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچا دیا کرتا ہوں۔"

وہ دھکا دے کر انجم کو اپنے کمرے میں لے گئے۔

"اب مجھے یہاں دکھاؤ کہ چابی کہاں گری ہے تمہارے حساب میں اور وہ اتنی لمبی ڈوری کہاں ہے جو تم نے چابی میں بندھی دیکھی تھی دیکھو۔ دیکھو۔ ذرا نیچے بھی جھانک کر دیکھو۔"

انجم نے پلنگ کے نیچے جھانکا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ چابی مع اپنی لمبی ڈوری کے غائب تھی۔ اور سوٹ کیس جیسے اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ اور تو اور غوری صاحب کا تکیہ بھی پائنتی پر نہیں سرہانے کی جانب رکھا ہوا تھا۔

"اب ادھر بھی ایک نظر ڈال لو۔" غوری صاحب نے اپنا تکیہ اٹھایا۔ چابی وہاں موجود تھی اور اس میں بندھی ہوئی ڈوری کا طول ایک بالشت سے زیادہ نہیں تھا۔

"اب بولتے کیوں نہیں۔" غوری صاحب چلائے۔ "سانپ کیوں سونگھ گیا ہے تمہارے حساب میں۔"

"میں کیا بولوں جناب میری سمجھ میں خود یہ گورکھ دھندا نہیں آ رہا ہے۔" انجم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "مگر خدا گواہ ہے کہ میں نے جو کچھ عرض کیا اس میں ذرہ برابر جھوٹ نہیں ہے۔"

"بس جی۔" غوری صاحب نے ہاتھ لہرایا۔ "اس کا فیصلہ تو اب محلے والے ہی کریں گے تمہارے حساب میں۔ میری بیٹی تو بدنام ہو گی ہی مگر تمہاری شرافت کا پول بھی کھل جائے گا۔"

وہ دندناتے ہوئے دروازے کی طرف چلے۔ انجم کی سمجھ میں اور تو کچھ نہیں آیا۔ اس نے دوڑ کر ان کے پیر پکڑ لئے۔

"خدا کے لئے میرے حال پر رحم کیجئے۔" وہ بولا۔ "میرے والد تک یہ باتیں پہنچیں گی تو وہ میری کھال کھینچ لیں گے۔ ملازمت

سے برطرف کر دیا جاؤں گا۔ میرا مستقبل تباہ ہو کر رہ جائے گا۔"

"اور بیٹی کی زندگی جو برباد ہو جائے گی تمہارے حساب میں وہ کچھ نہیں۔" غوری صاحب نے اپنے پیر چھڑانا چاہے۔

"تو کیا آپ میری خطا معاف نہیں کر سکتے۔" انجم گڑگڑایا۔ "آپ جو سزا چاہیں مجھے دے لیں۔ مجھے منظور ہے۔"

"اگر تم چاہتے ہو کہ یہ بات یہیں تک رہ جائے تو اس کی بس ایک ہی صورت ہے۔" غوری صاحب نے جیسے نرم پڑتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ کیا۔" دھڑکتے ہوئے دل سے انجم نے پوچھا۔

"تم شبانہ سے شادی کر لو۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔

انجم نے ایک گہری سانس لی اور غوری صاحب کے پیر چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا ذہن تیزی سے اس صورت حال سے نبٹنے کا طریقہ سوچ رہا تھا۔ کوئی شک نہیں وہ بہت بری طرح گھر چکا تھا بلاشبہ اس کے والدین تک یہ بات پہنچ گئی تو وہ زندگی بھر اسکی صورت نہیں دیکھیں گے۔ ملازمت بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے اور دوستوں کی نگاہ میں جو ذلت و رسوائی ہو گی وہ علیحدہ مگر شبانہ سے شادی یہ سزا بھی تو کم خوفناک نہیں تھی۔ مگر پھر جیسے اس نے اپنے آپ کو سمجھایا فوری ضرورت اس وقت بدنامی کے خطرے سے بچنے کی ہے۔ شادی بھی ہو جائے تو وہ سہیل کی طرح جب چاہے شبانہ کو طلاق دے سکتا ہے۔

"بہت اچھا" آخر وہ بولا۔ "میں تیار ہوں۔ مگر ایک شرط پر۔"

"کیسی شرط۔"

"شادی میں اس وقت کروں گا جب آپ وہ دونوں کتابیں مجھے واپس کر دیں گے۔"

"مجھے منظور۔۔۔ ہے تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔ "مگر اس تبدیلی کے ساتھ کہ کتابیں نکاح کے بعد تمہارے حوالے کی جائیں گی۔"

"چلئے یونہی سہی۔"

"بس تو پھر کل شام دفتر سے واپسی پر قاضی صاحب کو ساتھ لیتے آنا۔" غوری صاحب نے اطمینان کے ساتھ کہا۔ "برخوردار سعید بھی شریک ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں۔"

انجم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح تھکے تھکے قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ غوری صاحب شبانہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

"گھبراؤ نہیں بیٹی اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" انھوں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ شبانہ غریب بھی کچھ کم حیران نہیں تھی۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ انجم اچانک اس کے کمرے میں کیسے آ گیا۔ اس نے بڑے غور سے اپنے ابو کی طرف دیکھا۔ مگر غوری صاحب آپ ہی آپ مسکراتے سر ہلاتے اپنے کمرے کی طرف چل دیئے تھے۔

وہ آج بہت خوش تھے۔ ان کی سوچی ہوئی ترکیب سو فیصدی کامیاب رہی تھی۔ دفتر سے واپس آنے کے بعد انجم سے جو گرما گرمی ہوئی تھی اس سے انھیں کچھ اور زیادہ یقین ہو گیا تھا کہ انجم کسی انتہائی اہم وجہ سے کتابیں واپس لینے کے لئے بیقرار ہے اور پھر اس نے جس انداز سے گفتگو کی تھی اس کی بنا پر غوری صاحب کا خیال تھا کہ انجم ضرور رات کے وقت ان کے سوٹ کیس سے کتابیں نکالنے کی کوشش کریگا تھوڑی سی ہوشیاری، معمولی سی کوشش ان کی بیٹی کے مستقبل کو تباہی سے بچا سکتی تھی۔ ممکن تھا کہ عام حالات میں وہ اس اقدام کے لئے تیار نہ ہوتے مگر ایک اجنبی ملک میں اپنے قابلِ اعتماد دوست اور اس کے بیٹے کے قطعی خلاف امید طرزِ عمل نے غوری صاحب کو بہت پریشان اور فکرمند کر دیا تھا۔ ان کے سامنے سب سے بڑا سوال شبانہ کے مستقبل اور اس پردیس میں اپنے بڑھاپے کو در در کی ٹھوکروں سے بچانے کا تھا۔

ترکیب جو انھوں نے سوچی انتہائی سادہ اور آسان تھی انھوں نے پلنگ کے نیچے سے اپنا سوٹ کیس نکال کر میز پر رکھا اور اس کی جگہ شبانہ کا سوٹ کیس رکھ دیا۔ اپنے سوٹ کیس کی دو چابیوں میں سے ایک میں بے انتہا لمبی ڈوری باندھی۔ بجائے سرہانے کے تکیہ اٹھا کر پائنتی کی طرف رکھا اور اطمینان سے لیٹ گئے۔ چابی میں لمبی ڈوری باندھنے کی مصلحت یہ تھی کہ

جب تک انجم اسے نکالے گا۔ وہ پلنگ کے دوسری طرف اتر کر سوٹ کیس کا ایک کنارہ پکڑ کر عمل کے لئے تیار ہو جائیں گے چنانچہ جس وقت انجم سوٹ کیس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ غوری صاحب اسے شبانہ کے کمرے میں گھسیٹ کر لا رہے تھے۔ انجم کے کھڑے ہوتے ہی انھوں نے پھرتی سے سوٹ کیس شبانہ کے پلنگ کے نیچے رکھا۔ دبے پاؤں اپنے کمرے میں واپس آئے۔ اپنا سوٹ کیس میز سے اٹھا کر پلنگ کے نیچے ڈالا۔ رسی والی چابی جو انجم نے پلنگ کے نیچے چھوڑ دی تھی اپنے سوٹ کیس میں بند کر دی۔ تکیہ حسب معمول سرہانے کی طرف رکھا اور دوسری چابی اس کے نیچے رکھنے کے بعد بجلی کا بٹن دبا دیا۔ انھیں یقین تھا کہ روشنی ہونے کے بعد اپنے آپ کو شبانہ کے کمرے میں دیکھ کر انجم جس پریشانی اور گھبراہٹ کا شکار ہوگا اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ جو چاہیں گے منوا لیں گے۔

انھوں نے ایک مرتبہ پھر مطمئن انداز میں سر ہلایا اور بجلی کا سوئچ آف کر کے اپنے پلنگ پر آ کر لیٹ گئے۔ کوئی شک نہیں کہ انھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ ایک باپ کی غیرت کے منافی تھا مگر بہرحال کوئی گناہ تو نہیں تھا اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اب ان کی بیٹی کا مستقبل محفوظ ہو چکا تھا۔ انجم کو جس حد تک انھوں نے سمجھا تھا وہ کچھ بھی ثابت ہو دوسرا سہیل ثابت نہیں ہو سکتا

تھا۔ اطمینان کی ایک گہری سانس لیتے ہوئے غوری صاحب نے آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگے۔

"یار یہ بڑے میاں تو بڑے کائیاں نکلے۔" سعید نے حیرت سے کہا۔ "مگر ایک بات ہے۔ ہم انہیں کچھ زیادہ موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ انھوں نے وہ ہی کیا جو ایک جوان بیٹی کا مجبور باپ ان حالات میں کر سکتا تھا۔ ظاہر ہے وجہ خواہ کچھ ہو مگر سہیل نے شبانہ کو تمہارے ساتھ ناجائز تعلقات کا الزام لگا کر طلاق دی تھی۔ اپنی پونجی وہ کسٹم پر لٹا چکے تھے۔ بیٹی پر بدچلنی کی تہمت بھی لگ گئی۔ پیسہ کوڑی جیب میں نہیں تھا کہ اپنے وطن واپس جا سکیں۔"

"ارے تو کیا قربانی کا بکرا بننے کے لئے ایک میں ہی رہ گیا تھا" انجم نے منہ بسورتے ہوئے جواب دیا۔ وہ سعید کو گذشتہ رات کے تمام واقعات اور نتیجہ سنا چکا تھا۔ اس وقت دفتر سے واپسی پر اسے اس لئے ساتھ لایا تھا کہ کم سے کم ایک دوست تو اس زبردستی کی شادی کا گواہ بن جائے۔ وہ اس وقت اسٹیشن کے ریسٹورنٹ میں چائے پی رہے تھے۔

"بھیا میں تو کہوں گا کھری بات چاہے زمانے میں آگ لگ جائے۔" سعید نے مسکراتے ہوئے کسی فلم کے مشہور ڈائلاگ کا

خاکہ اڑایا۔ "تم سے زیادہ شبانہ کے لئے اور کوئی موزوں نہیں ہو سکتا تھا۔ تمہیں بہر حال شادی کرنا تھی۔ آج نہیں تو کل سہی پھر شبانہ سے کرنے میں کیا نقصان ہے۔ صورت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ابھی تک دیکھی ہی نہیں۔ البتہ جہاں تک کام کاج میں سلیقہ کا تعلق ہے میں کیا تم بھی دیکھ رہے ہو کہ اس نے کس خوش اسلوبی سے تمہارے گھر کا کام سنبھالا ہوا ہے۔"

"مگر میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں۔"

"اچھا۔" سعید چونکا۔ "تو گذشتہ سات آٹھ دن سے جو دال میں کالا کالا نظر آ رہا تھا وہ نظر کا فریب نہیں بلکہ واقعی کچھ تھا۔"

"مذاق مت کرو یار! میں اس وقت شدید ذہنی الجھن کا شکار ہو رہا ہوں۔"

"کیا وہ ٹیلیفون والی۔" سعید نے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ تو پتہ نہیں کون ہے۔" انجم نے جواب دیا۔ "میں نے شاید تم سے کہا تھا کہ اس ٹرین میں۔۔۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" سعید نے ناک سکوڑی۔ "میں تو تمہیں عملی دنیا کا انسان سمجھتا تھا مگر تم تو نئے زمانے کے شیخ چلی ثابت ہوئے یعنی آپ ایک ایسی لڑکی کے عشق میں گرفتار ہیں جس کے بارے میں یہ ہی نہیں معلوم کہ وہ کون ہے، کہاں ہے، ہے بھی یا نہیں اور ہے تو کنواری ہے، شادی شدہ ہے۔ نام خدا ابھی خود بچی ہے

یا ماشاء اللہ آٹھ دس بچوں کی ماں بن۔۔۔"

"پوری بات سنتے نہیں ہو اور اپنی بکواس شروع کر دیتے ہو۔" انجم جھلا کر بولا۔ "وہ مجھے دوبارہ بھی ملی تھی۔"

"اور تم مجھے آج بتا رہے ہو۔" سعید نے آنکھیں نکالیں۔ "شاباش ہے تمہارے پیٹ کو۔ میں تو اتنی بڑی بات کبھی ہضم نہیں کر سکتا تھا۔"

"اور جانتے ہو کہاں ملی۔"

"اب اگر تم نے کہہ دیا خواب میں ملی تھی تو میں تمہارا کیا بگاڑ لوں گا۔"

"خواب میں نہیں صاحبزادے اپنے محلے کی گلشن لائبریری میں۔" انجم نے بتایا۔

"کیا۔ تو یہ کہیئے۔ میں بھی تو کہوں کہ یہ گھر چھوڑ کر آج کل لائبریری میں اسٹڈی کیوں ہونے لگی ہے۔" سعید نے سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔ "تو مالیات کے بجائے رومانیات کے امتحان کی تیاری کی جا رہی ہے۔"

"ضرور فرشتوں نے غلطی سے کسی عورت کی زبان تمہارے منہ میں فٹ کر دی ہے۔" انجم جھلایا۔ "اپنے آگے کسی کی سنتے ہی نہیں۔ ایک ہفتہ پہلے میں اکاؤنٹ کی ایک کتاب دوبارہ اپنے نام جاری کرانے لائبریری گیا تو وہ وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسی روز ممبر بنی تھی۔ اخلاق صاحب نے بتایا کہ اس کا نام تنویر ہے اور کسی بڑے باپ کی بیٹی معلوم ہوتی ہے کہ پچاس روپئے زر ضمانت جمع کرایا ہے۔ میں نے پتہ وغیرہ معلوم کرنا چاہا مگر اس نے ممبر شپ کارڈ میں صرف اپنا نام لکھا تھا۔

اس کے بعد جب وہ لائبریری سے کتابیں لے کر نکلی تو میں نے تعاقب کر کے گھر کا پتہ لگانا چاہا مگر برا ہو قسمت کا۔ چوراہے پر ٹریفک سگنل نے اسے گذر جانے دیا اور مجھے روک لیا۔ اس دن کے بعد میں روزانہ لائبریری میں اس سے ملنے کی امید لے کر جاتا ہوں مگر وہ اب تک واپس نہیں آئی۔ بہر حال مجھے امید تھی کہ اگر میں اپنا مستقبل بنانے میں کامیاب ہو گیا تو اس کے دولت مند والدین کو اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دینے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ مگر اب شبانہ سے شادی کر لی تو تنویر نہیں مل سکے گی۔"

"اتنی ہی محبت کرتے ہو اس سے تو شادی سے انکار کر دو۔"

"کیسے کر دوں۔" انجم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ "مجھے یقین ہے وہ بڑے میاں مجھے اچھی طرح ذلیل و خوار کر دیں گے۔ اس کے علاوہ بیس ہزار روپے کا مسئلہ بھی کم اہم نہیں ہے۔ اور انھوں نے صاف کہہ دیا ہے کہ نکاح سے پہلے کتابیں نہیں دیں گے۔"

"گویا چاروں طرف سے شہ پڑ رہی ہے۔"

"اسی لئے میں نے سوچا ہے کہ سر دست بدنامی سے بچنے کے لئے شبانہ سے نکاح کر لیتا ہوں۔ مگر اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اس کے بعد انعام حاصل کر کے ہزار دو ہزار روپیہ غوری صاحب کے ہاتھ پر رکھ دوں گا کہ قبلہ ٹھنڈے ٹھنڈے اپنے وطن سدھاریئے اور بیٹی کو بھی ساتھ ہی لیتے جایئے۔ میں اسے طلاق دیتا ہوں۔"

"یہ تو اس غریب کے ساتھ بڑی زیادتی ہوگی۔" سعید نے سوچتے ہوئے کہا۔ "سہیل سے نکاح ہوا تو اس نے رخصت سے پہلے طلاق دے دی اور اب تم یہ ہی حرکت کرنے والے ہو۔"

"مجھے اس بات کا احساس ہے مگر تم ہی بتاؤ۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"کم سے کم ایک وعدہ تو کر ہی سکتے ہو۔"

"وہ کیا۔"

"کہ جب تک تنویر تم سے محبت کا اعتراف نہ کر لے اور اس کے ساتھ تمہاری شادی یقینی نہ ہو جائے تم اسے طلاق نہیں دو گے۔"

"اچھی بات ہے۔" انجم نے بارہ آنے اسپیشل چائے کی پڑے ڈال کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب چلو قاضی انوار الحق صاحب کو فون کر دیا تھا وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔"

انجم اور سعید قاضی صاحب کو ساتھ کر گھر پہنچے تو غوری صاحب نے محلے کے دو چار آدمیوں کو اپنے کمرے میں جمع کر رکھا تھا۔ عورتوں کو مدعو نہیں کیا گیا تھا جس کی وجہ غوری صاحب کے بقول یہ تھی۔ کہ خواتین کی ناکیں سونگھنے کے معاملہ میں اور زبانیں چلنے کے معاملے میں کافی تیز ہوتی ہیں۔ انہیں پتہ نہیں کب تک اس محلے میں قیام کرنا پڑے

چنانچہ وہ نہیں چاہتے کہ شادی کے بعد خواہ مخواہ کی افواہیں پھیلیں۔ خواتین غیبت کر کے گناہگار ہوں اور انہیں (غوری صاحب کو) اللہ میاں کے حضور بالواسطہ ایک برائی پھیلانے کے سلسلہ میں جواب دہ ہونا پڑے۔

میر صاحب اور ایک بزرگ اندر جا کر شبانہ سے نکاح کی اجازت دے تو قاضی صاحب دو زانو ہو کر بیٹھے۔ ان کے سیدھے ہاتھ کی طرف انجم اور بائیں ہاتھ کی طرف غوری صاحب بیٹھے تھے۔

"ہاں قاضی صاحب بسم اللہ کیجیے۔" غوری صاحب نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"چھوارے تو منگوایئے۔" قاضی صاحب کچھ حیرت سے بولے۔

"چھوارے۔" غوری صاحب نے انجم کی طرف دیکھا مگر اس نے منہ پھیر لیا۔ "کیا چھواروں کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا تمہارے حساب میں۔"

"نکاح کے وقت چھواروں کی موجودگی ایک سنت ہے۔ اور سنت کا ترک کرنا کوئی اچھی بات تو نہیں قبلہ۔" قاضی صاحب نے جواب دیا۔

"لوگ آج کل فرض کی پرواہ نہیں کرتے۔ آپ سنت کی بات کر رہے ہیں۔"

"اگر آپ اپنا شمار بھی ان ہی لوگوں میں کرتے ہیں تو مجھے اجازت

دیجیے۔" قاضی صاحب نے کچھ ناگواری سے کہا۔

"اچھا صاحب ٹھہریئے میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔" انھوں نے انجم کی طرف دیکھا۔ "برخوردار انجم سلمہٗ ذرا بات سننا تمہارے حساب میں۔"

وہ انجم کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گئے۔ ظاہر ہے براتیوں کو یہ منظر عجیب معلوم ہوا ہوگا۔

"برخوردار تمہارے پاس دس بیس روپئے ہوں تو دیدو میں چھوارے منگوا لوں تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے سرگوشی کی۔

"چھوارے تو آپ کو لانے چاہئیں۔" انجم نے جواب دیا۔ "یہ شادی آپ کی زبردستی سے ہو رہی ہے میری خوشی سے نہیں"

"میرا ارادہ برخوردار سعید کو بھیجنے کا تھا مگر تم کہتے ہو تو میں ہی لینے چلا جاؤں گا۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔ "تم روپیے تو دو۔"

"خوب۔ گویا جیب بہر حال میری ہی کٹنا چاہیئے۔" انجم نے طنزیہ لہجہ میں کہا۔

"جیب کٹنے کی کیا بات ہے برخوردار"۔ غوری صاحب بولے اپنی بیوی کے نکاح کے چھوارے منگوا رہے ہو کوئی مجھ پر احسان تو نہیں کر رہے ہو۔ چھوارے نہیں ہوں گے تو قاضی صاحب نکاح نہیں پڑھائیں گے اور نکاح نہیں ہوگا تو مجھے محلے والوں کو۔۔۔"

"یہ آپ بار بار محلے والوں کی دھمکی کیا دیتے ہیں۔" انجم نے جیب سے دس روپیہ کا نوٹ نکال کر ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ "یہ لیجئے اب تو میں آپ کے پھندے میں پھنس ہی گیا ہوں۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا کمرے میں واپس چلا گیا۔ غوری صاحب نے دروازے پر ہی کھڑے رہ کر سعید کو اشارے سے بلایا۔

"لو برخوردار۔" انھوں نے دس کا نوٹ دیتے ہوئے کہا۔ "تین روپیے کے چھوارے اور سات روپیے کی چاکلیٹ تو لے آؤ ذرا جلدی سے۔ دو تین دن سے شکر پھانک رہا ہوں تمہارے حساب میں۔"

دس منٹ کے بعد چھوارے آگئے تو ایک مرتبہ پھر قاضی صاحب نے نکاح پڑھانے کی تیاری کی۔ دوزانو ہو کر بیٹھے۔ خطبہ پڑھا۔ نکاح کے فارم اٹھا کر مہر کی رقم دیکھی۔

"صاحبزادی شبانہ بنت محمد خاں غوری کو بالعوض پانچ ہزار مہر موجل کہ نصف جس کے ڈھائی ہزار سکہ رائج الوقت ہوتے ہیں تم نے اپنے عقدِ نکاح میں لینا قبول کیا۔" قاضی صاحب نے انجم کی طرف دیکھا۔

ٹھہریئے۔" جواب ملا اور دوسرے لمحہ دولہا میاں خسر صاحب کا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔

"ذرا ادھر تو آیئے۔" انجم نے غوری صاحب کو دروازے

کی طرف گھسیٹتے ہوئے کہا۔

اور برائیوں نے جن کی جملہ تعداد مع قاضی صاحب کے سات افراد تھی اس مرتبہ داماد کو خسر کا ہاتھ پکڑے باہر لے جاتے دیکھا۔

"کیا بات ہے برخوردار۔" غوری صاحب نے حیرت سے پوچھا "کتابیں کہاں رکھی ہیں۔"

"سوٹ کیس میں۔"

"چابی مجھے دیجئے۔"

"بڑے بے اعتبار آدمی ہو بھئی۔ جب میں نے کہہ دیا تھا کہ نکاح کے بعد کتابیں دیدوں گا تمہارے حساب میں تو اس طرح بھاگ کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ لوگ کیا سوچتے ہوں گے۔"

"آپ چابی دیجئے سیدھے ہاتھ سے۔ ورنہ میں محلہ والوں کی دھمکی کے باوجود قبول نہیں کروں گا۔" انجم نے مخصوص لہجہ میں کہا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" غوری صاحب نے جیب سے چابی نکالی "یہ لو۔"

"کوئی دوسری چابی تو نہیں ہے سوٹ کیس کی۔" انجم نے پوچھا۔

"حد ہو گئی بدگمانی کی۔" غوری صاحب مسکرائے۔ "گو تم سمجھ رہے ہو کہ میں دوسری چابی سے کتابیں خود نکال لوں گا تمہارے حساب میں۔"

"آپ سے کچھ بعید نہیں ہے۔" انجم بولا۔ "بتایئے دوسری چابی

ہے یا نہیں۔"

"نہیں ہے۔" غوری صاحب نے جواب دیا۔

انجم نے چابی جیب میں رکھی۔ کمرے میں واپس آکر اپنی جگہ بیٹھا

"ہاں قاضی صاحب اب پوچھیے آپ کیا پوچھ رہے تھے۔" اس نے کہا۔ قاضی صاحب کو اپنا طویل فقرہ دہرانا پڑا۔ تین مرتبہ اس کا اعادہ بھی کیا گیا۔ اور تیسری مرتبہ انجم کی زبان سے قبول کیا میں نے کے الفاظ سنتے ہی حاضرین نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ دوسرے کے متعلق پتہ نہیں مگر انجم کی دعائیں کتابوں کے بخیریت ملنے کے بارے میں تھیں۔

چھواروں کی تقسیم کے بعد اہل محلہ مبارکباد دیتے ہوئے رخصت ہو گئے تو انجم اٹھ کر غوری صاحب کے کمرے کی طرف چلا۔

"کہاں جا رہے ہو برخوردار۔" غوری صاحب نے ہاتھ پکڑ لیا۔

"آپ کے سوٹ کیس سے اپنی کتابیں نکالنے۔"

"تمہاری کچھ کتابیں سوٹ کیس میں ضرور رکھی ہیں۔" غوری صاحب نے بتایا۔ "لیکن تمہارا مطلب اگر عذرا اور عذرا کی واپسی سے ہے تو وہ سوٹ کیس میں نہیں ہیں۔"

"پھر کہاں ہیں۔" انجم نے تیزی سے پوچھا۔ "آپ نے وعدہ کیا تھا نکاح کے بعد وہ کتابیں واپس کر دیں گے۔"

"میں نے بے شک وعدہ کیا تھا تمہارے حساب میں۔ اور میں نہیں

واپس کرنے کی پوری کوشش بھی کروں گا۔ مگر سر دست تو وہ میرے پاس نہیں ہیں۔"

"پھر کہاں ہیں۔" انجم نے اپنا سوال دہرایا۔

"گلشن لائبریری میں۔" غوری صاحب دوسری طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"کیا۔" انجم اور سعید کے منہ سے بہ یک وقت نکلا۔ مگر دوسرے لمحہ سعید نے ایک زبردست قہقہہ لگایا۔

"میری پیشین گوئی درست نکلی نا۔" وہ بولا۔ "فرق صرف اتنا ہے کہ میں نے انڈے کے بارے میں خدشہ ظاہر کیا تھا۔ اور غوری صاحب نے مرغی بیچ کر مٹھائی کھالی ہے آپ کے سر پر۔"

"تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور میری جان پر بنی ہوئی ہے جلدی چلو کہیں اخلاق صاحب نے وہ کتابیں کسی ممبر کو دے دیں اور قیامت آجائے گی۔" انجم نے کہا اور بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

انجم اور سعید کسی طوفان کی طرح گلشن لائبریری کے آفس میں داخل ہوئے۔

"خیریت تو ہے۔" اخلاق صاحب نے حیرت سے دونوں کے گھبرائے ہوئے انداز اور پھولی ہوئی سانسوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"غوری صاحب نے آپ کے ہاتھ کچھ کتابیں فروخت کی ہیں۔"
انجم نے پوچھا۔
"کون غوری صاحب؟" اخلاق صاحب نے پوچھا۔
"وہ صاحب جو میرے گھر ٹھہرے ہوئے ہیں۔" انجم نے بتایا۔ "ناٹا سا قد۔ دبلا پتلا جسم۔ سر کے بال آگے سے کچھ غائب ہیں۔ چشمہ لگاتے ہیں۔"
"مجھے اس حلیہ کے کوئی صاحب یاد نہیں ہیں۔" اخلاق صاحب نے جواب دیا۔ "ممکن ہے میرے اسسٹنٹ نے ان سے کتابیں خریدی ہوں۔ مگر بات کیا ہے۔"
"لاحول ولاقوۃ بالکل بدحواس ہوئے جا رہے ہو۔" سعید نے کہا "سیدھی سی بات کیوں نہیں پوچھتے۔"
وہ اخلاق صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔
"آپ نے حال ہی میں کسی سے عذرا اور عذرا کی والدہ کا سب سے پہلا ترجمہ خریدا ہے۔"
"جی ہاں یہ دونوں کتابیں میرے اسسٹنٹ نے کوئی تین چار دن پہلے خریدی تھیں۔" اخلاق صاحب نے جواب دیا۔
"وہ کتابیں میری ہیں اور میری مرضی کے بغیر فروخت کی گئی ہیں۔" انجم نے کہا۔ "جو قیمت آپ نے ان کتابوں کی ادا کی ہے مجھ سے لے لیں۔ لیکن معلوم بھی تو ہو کہ آخر ان کتابوں میں ایسی کیا خاص بات ہے

جو آپ اتنے پریشان نظر آ رہے ہیں۔"
"افوہ۔ پلیز اخلاق صاحب۔ آپ مجھے وہ کتابیں واپس کر دیں میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔"
"مجھے افسوس ہے کہ وہ کتابیں تو اب لائبریری کی ملکیت بن چکی ہیں اور انھیں واپس نہیں کیا جا سکتا۔"
"اچھا تو کم سے کم مجھے ایک گھنٹے کے لئے عاریتاً دے دیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو واپس کر دوں گا۔"
"افسوس کہ سر دست یہ بھی ممکن نہیں ہے۔" اخلاق صاحب نے نفی میں سر ہلایا۔
"کیوں۔" انجم نے بیتابی سے پوچھا۔ "کیا آپ کو اعتبار نہیں کہ میں کتابیں واپس کروں گا یا نہیں۔"
"اعتبار کا سوال نہیں انجم صاحب۔ کتابیں جاری کی جا چکی ہیں۔"
"کسے۔ کون لے گیا ہے۔" سعید نے جلدی سے پوچھا۔
"مس تنویر۔" اخلاق صاحب انجم کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔
"ابھی آپ لوگوں کے آنے سے ایک منٹ قبل لے کر گئی ہیں۔"
انجم ایک لمحہ کے لئے حیرت زدہ سا اخلاق صاحب کی صورت دیکھتا رہا۔
"اب کھڑے کیا سوچ رہے ہو بھاگو جلدی سے۔" سعید نے کہا۔ "ابھی وہ زیادہ دور نہیں گئی ہوں گی۔"

"مگر کچھ مجھے بھی تو بتایئے کہ . . ." اخلاق صاحب کو اپنا فقرہ نامکمل ہی چھوڑنا پڑا۔ انجم اور سعید تیز ہوا کے جھونکے کی مانند آفس سے باہر نکل چکے تھے۔

انجم نے باہر نکل کر ادھر ادھر دیکھا۔ یہاں سے چوراہے تک صرف ایک ہی سڑک جاتی تھی۔ درمیان میں ایک دو چھوٹی چھوٹی تنگ سی گلیاں ضرور تھیں مگر انجم کو امید نہیں تھی کہ تنویر ان گلیوں میں گئی ہوگی۔ وہ پہلی مرتبہ بھی اسے چوراہے تک جاتے دیکھ چکا تھا۔

"اس طرف"۔ اس نے بھاگتے ہوئے سعید سے کہا اور دونوں دوڑ پڑے۔ شام کے تقریباً آٹھ بج رہے تھے۔ سڑک پر اچھی خاصی آمد و رفت تھی۔ ظاہر ہے لوگ انجم اور سعید کو بھاگتے دیکھ کر ان کی طرف متوجہ ہوئے ہوں گے مگر وہ دونوں جیسے گرد و پیش سے بے خبر بھاگتے چلے جا رہے تھے۔

"صاحبزادے"۔ اچانک ایک بڑے میاں انجم کے سامنے آگئے "معلوم ہوتا ہے آج وہ لڑکی پھر بھاگ گئی ہے۔"

انجم گرتے گرتے بچا۔ اس نے گھور کر بڑے میاں کو دیکھا اور فوراً پہچان گیا۔ یہ وہ ہی تھے جنہیں گذشتہ ہفتہ تنویر نے روکا تھا۔

"جی ہاں۔ جی ہاں"۔ انجم نے جلدی سے کہا۔ "آپ نے تو اسے نہیں دیکھا"

"دیکھا تو ہے۔" بڑے میاں نے سر ہلایا۔ "اس دن تمہارے ساتھ ہی تو دیکھا تھا۔"

"اوہ۔ میرا مطلب ہے آج۔ ابھی کچھ دیر پہلے۔"

"نہیں۔ آج تو نہیں دیکھا۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" سعید جھنجھلا گیا۔ "تو پھر آپ خواہ مخواہ ہمارا وقت ضائع کر رہے تھے۔"

انجم اور سعید آگے بڑھنے لگے۔

"تم تو صاحبزادے جیسے ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو۔" بڑے میاں نے آواز دی۔ "لڑکی کا پتہ نہیں معلوم کرو گے۔"

"کیا"۔ انجم پلٹ پڑا۔ "مگر آپ کو کہہ رہے تھے کہ آج نہیں دیکھا۔"

"یہ تو اب بھی کہتا ہوں۔ آج میں نے اسے تمہارے ساتھ نہیں دیکھا۔" بڑے میاں نے گردن ہلائی۔

"استغفراللہ۔ ایسے ہی مواقع پر انسان کا دل خودکشی کرنے کو چاہنے لگتا ہے۔" سعید نے بڑی مشکل سے غصہ ضبط کیا۔ "تو قبلہ اسے آپ نے کس کے ساتھ دیکھا ہے۔"

"کسی کے ساتھ نہیں۔ البتہ تنہا ضرور دیکھا ہے۔"

"کہاں۔ خدا کے لئے جلدی بتا دیجئے۔" انجم نے بڑی بیچارگی سے کہا

"تم طرم باز خاں کو جانتے ہو۔" بڑے میاں نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"تو پھر تم نے ان کا چوراہہ بھی نہیں دیکھا ہوگا۔"

"طرم باز خاں کا چوراہہ۔ یہ نام تو آج ہی سنا ہے۔"

سعید نے پوچھا۔

"یہ وہ ہی چوراہہ ہے صاحبزادے جہاں طرم باز خاں نے مبلغ پانچ عدد حاضرین اصلی، پانچ ہزار حاضرین نقلی اور دس ہزار حاضرین بغلی کے سامنے تقریر کرتے ہوئے پہلے اپنی ٹوپی پھر اپنی ٹائی پھر اپنا کوٹ اور قمیص اتار کر پھینک دی تھی۔ خوش قسمتی سے پتلون کا نمبر آنے سے پہلے ہی تقریر ختم ہو گئی۔ سنا ہے حاضرین بغلی نے ہل من مزید کے نعرے لگائے اور طرم باز خاں نے بڑی مشکل سے آئندہ جلسے کے وعدے پر جان چھڑائی۔ بعد میں حاضرین نقلی نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ ہل من مزید کے نعرے پتلون کے سلسلہ میں نہیں بلکہ دس روپیہ فی کس بقایا دہاڑی کے سلسلہ میں لگائے گئے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم حاضرین بغلی پہلے بھی پندرہ روپے فی کس کے حساب سے طرم باز خاں کے جلسوں میں آتے رہے ہیں۔ تو صاحبزادے جب سے اس چوراہے کا نام طرم باز خاں کا چوراہہ پڑ گیا۔"

"تو یہ طرم باز خاں کا چوراہہ ہے کہاں جناب۔" انجم نے جیسے اپنی جان سے عاجز آتے ہوئے پوچھا۔

"ارے بھئی یہ کیا ہے سامنے دس قدم پر فاصلہ پر۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" سعید بڑبڑایا۔ پھر ذرا زور سے بولا۔ "قبلہ تو آگے بھی بتایئے نا۔ چوراہہ پر پہنچ کر کس طرف جانا ہوگا۔"

"داہنے ہاتھ کی طرف۔" بڑے میاں نے جواب دیا۔ "آگے بڑھ کر جو پہلا بس اسٹاپ ہے نا۔ میں نے ابھی آتے ہوئے اس لڑکی کو وہاں بس اسٹاپ پر کھڑے دیکھا تھا۔"

انجم اور سعید بڑے میاں کے منہ سے بس اسٹاپ کا نام سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

"استغفر اللہ کتنے بدتمیز نوجوان ہیں۔" بڑے میاں نے غالباً سڑک پر لگے ہوئے کھمبے کو مخاطب کیا۔ "شکریہ تک ادا کرنا نہیں جانتے۔"

مگر جب بس اسٹاپ سے پندرہ بیس گز کے فاصلے پر انجم اور سعید نے تنویر کو ایک اومنی بس میں سوار ہوتے دیکھا تو ان کی رائے بھی بڑے میاں کے اخلاق کے بارے میں کوئی خاص اچھی نہیں تھی۔ بس اسٹاپ پر اس وقت ایک ساتھ تین اومنی بسیں موجود تھیں۔ وہ دونوں جان توڑ کر بھاگے اور بہ ہزار دقت و خرابی دوسری بس میں چڑھنے میں کامیاب ہو سکے۔ خیال یہ تھا کہ اگلے کسی اسٹاپ پر اتر کر اس بس میں سوار ہو جائیں گے جس میں تنویر کو جاتے دیکھا تھا۔

"دو دو قدم آگے بڑھ جائیں صاحبان۔" کنڈیکٹر نے آواز لگائی "پارٹیشن کے ساتھ جام ہو جائیں صاحبان!"

"تم نے یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ بس کس روٹ کی ہے۔" سعید نے انجم سے پوچھا۔

"نہیں تو۔" انجم نے جواب دیا۔

"کمال کرتے ہو۔ اب یہ تین چار بسیں جو آگے جا رہی ہیں ان میں سے کیسے پہچانا سکے گا کہ وہ کس میں ہے۔"

"سامنے تم بھاگ رہے تھے تم نے ہی دیکھ لیا ہوتا۔"

"بھائی لوگ ذرا آگے نکل جائیں۔" کنڈیکٹر نے انجم سے کہا۔

"ہمیں اگلے اسٹاپ پر اترنا ہے۔" انجم نے جواب دیا۔

"اترنا تو سب کو ہے بھائی جان! مگر ذرا پیچھے چڑھنے والوں کا بھی خیال رکھیں۔"

"دو ٹکٹ دس پیسے والے۔" انجم نے مجبوراً چند قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ سعید کی نگاہیں پارٹیشن سے آگے بس کے ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔

"میرے خیال سے یہ جو روٹ نمبر ۱۸ کی بس آگے جا رہی ہے۔" سعید نے کہا۔ "میں نے اس سے اگلی بس میں تنویر کو سوار ہوتے دیکھا ہے۔"

"دیکھنا شاید کوئی اسٹاپ آ رہا ہے۔" انجم بولا۔ "اگلی بس رک رہی ہے۔"

"میں دروازے کے قریب ہوں۔" سعید نے کہا۔ "اتر کر دیکھ لوں گا اگر وہ اس بس میں ہوئی تو تم بھی اتر آنا۔"

"نہیں میں بھی ساتھ ہی اتروں گا۔" انجم نے اصرار کیا۔

بس آہستہ ہونے لگی۔ انجم اور سعید دروازے کے قریب آ گئے اسٹاپ آیا۔ بس رکی۔ انجم اور سعید اترے۔ دیکھا کہ سب سے اگلی

بس جو ظاہر ہے ان کی بس کے رکنے سے پہلے رک چکی تھی روانہ ہونے ہی والی ہے۔ وہ بے تحاشا دوڑ پڑے۔ درمیان والی بس کی خواتین کی نشست سے تین ٹیڈی لڑکیاں ہاتھوں میں مختلف چیزوں کے پارسل اٹھائے نیچے اتر رہی تھیں ایک نیچے اتر چکی تھی۔ ادھر سعید بھاگتا ہوا دروازے کے قریب آیا۔ ادھر دوسری ٹیڈی نے موسمبیوں کی ٹوکری ہاتھ میں لئے فٹ پاتھ پر قدم رکھا۔ بچتے بچتے سعید موسمبیوں سے ہم آغوش ہو چکا تھا۔ انجم نے دوست کا یہ حشر دیکھا تو بریک لگاتے ہوئے تھوڑا سا ترچھا ہو کر قریب سے نکلنا چاہا اور پہلی لڑکی کی گود میں جا گرا جو ایک ہاتھ میں کریم پوڈر اور دوسرے لوازمات کا پارسل پکڑے دوسرے ہاتھ سے فٹ پاتھ پھیلی ہوئی موسمبیاں اٹھا رہی تھی تیسری لڑکی نے اترتے اترتے اپنا قدم پیچھے کھینچ لیا۔ مگر اس کے پیچھے آنے والی برقعہ پوش خاتون اس اچانک حرکت کے لئے تیار نہیں تھیں۔ ان کا پیر اگلی سیڑھی خالی ہونے کی توقع میں آگے بڑھ چکا تھا۔

"او مائی گاڈ۔" تیسری لڑکی نے ایک باریک سی چیخ نکالی۔ اور اپنی کمر پکڑے ہوئے نیچے کود گئی۔

"یو ایڈیٹ۔" دوسری لڑکی نے غصہ سے تلملاتے ہوئے ہاتھ چلا دیا۔ سعید نے گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ چٹاخ ایک زبردست آواز گونجی۔ سعید کو حیرت تھی اتنے کرارے تھپڑ

کے باوجود اسے چوٹ کا مطلقاً احساس نہیں ہوا تھا۔ ڈرتے ڈرتے انگلیوں کی جھری میں سے جھانک کر دیکھا تو تیسری لڑکی کا ایک ہاتھ کمر سے اٹھ کر گالوں تک آچکا تھا۔ برقعہ پوش خاتون وہیں بس کی سیڑھیوں پر چپکڑا مار کر بیٹھنے کے علاوہ کوئی کارہائے نمایاں نہیں دکھا سکی تھیں۔ سعید نے گھبرا کر اگلی بس کی طرف دیکھا۔ وہ رینگتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔

"انجم بھائی۔ بس۔" وہ موسمبیوں کو پھلانگتے ہوئے چلایا۔ مگر انجم بھائی کا گریبان تو پہلی لڑکی نے پکڑ رکھا تھا۔

"آنکھیں نہیں ہیں۔ اندھے ہو کر بھاگتے ہو۔" وہ چیخ رہی تھی

"مجھے افسوس ہے میڈم۔" انجم نے جواب دیا۔ اس کی نظریں سعید پر جمی تھیں جو بس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ آپ کی ساتھی کو بچانے کی کوشش میں آپ سے ٹکرا گیا۔

"جھوٹ بکتے ہو۔" لڑکی نے گریبان جھٹکا۔ "تم غنڈے ہو۔ اور جان بوجھ کر ہمیں چھیڑنے کے لئے بھاگے تھے۔"

"یس مائی ڈارلنگ۔" اچانک انجم نے کہا۔ "آئی لو یو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تم پر مرتا ہوں۔"

اس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر لڑکی کو آغوش میں لینے کی کوشش کی

"دھاٹ۔" لڑکی بے اختیار گھبرا کر پیچھے ہٹی۔

"تھینک یو میڈم۔" انجم نے آزاد ہوتے ہی بس کی طرف چھلانگ

لگا دی۔ بھاگتے بھاگتے اس نے دیکھا کہ ایک پسنجر نے سعید کو ہاتھ سے پکڑ کر فٹ بورڈ پر لے لیا ہے۔ وہ بے تحاشا پوری طاقت سے بھاگنے لگا۔

مگر عجیب بات تھی۔ بس پر چڑھنے کے باوجود سعید یوں ہاتھ پھیر چلا رہا تھا جیسے اب بھی سوار ہونے کے لئے بھاگ رہا ہو کہیں اس کا کنڈیکٹر سے جھگڑا تو نہیں ہو گیا۔ انجم نے بھاگتے ہوئے سوچا۔ بس کا ڈنڈا بالکل قریب آ گیا تھا۔ ایک مسافر نے اسے سنبھالنے کے لئے ہاتھ بھی بڑھا دیا تھا کہ سعید کی چیختی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"انجم بھائی۔" وہ چلا رہا تھا۔ "بس پر مت چڑھنا۔ ذرا رک کر پیچھے گھوم کر دیکھ لو۔"

انجم کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ آخر وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ پھر بھی، لاشعوری طور پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ مگر چمکتی ہوئی روشنیوں میں سے کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔ اسٹاپ بہت دور رہ گیا تھا اتنے میں اس کے ہاتھ میں بس کا ڈنڈا آ گیا اور دو تین مسافروں کے ساتھ سعید نے بھی سہارا دے کر اسے بس پر سوار کرا لیا۔

"میں منع کر رہا تھا تو کیوں چڑھے۔" سعید نے بگڑتے ہوئے کہا۔ "معلوم ہے وہ اسی بس پر تھی جس سے ہم سفر کر رہے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اسے اتر کر صدر کی بس میں سوار ہوتے دیکھا ہے۔"

انجم اور سعید اگلے اسٹاپ سے پہلے بس سے نہیں اتر سکے۔

"وہ انیس نمبر کی بس تھی۔" سعید کہہ رہا تھا۔ "میں نے واضح طور پر نمبر پڑھے تھے۔ اس کا روٹ بھی مجھے معلوم ہے۔ بس جلدی سے کوئی ٹیکسی مل جائے تو ہم اب بھی اسے کسی اسٹاپ پر پکڑ سکتے ہیں یوں وہ کم سے کم بیس منٹ میں صدر پہنچے گی۔"

"جب تم نے دیکھ لیا تھا تو اس بس پر کیوں چڑھے۔" انجم نے پوچھا۔

"بس پر چڑھنے کے بعد دیکھا تھا۔"

"اب یہاں ٹیکسی کہاں ملے گی۔" انجم نے مایوسی سے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ "قیصر سینما کے ٹیکسی اسٹینڈ تک جانا پڑے گا۔"

"ذرا انھیں دیکھنا۔" سعید نے انجم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کیا۔

پندرہ بیس قدم آگے سڑک کے بائیں جانب ایک بڑی سی دکان کے سامنے نئے ماڈل کی شیورلٹ کار کھڑی تھی۔

"یہ ٹیکسی نہیں ہے کار ہے۔" انجم نے جواب دیا۔

"وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"تو پھر۔"

"کیا ارادہ ہے۔" سعید نے معنی خیز لہجہ میں پوچھا۔

"کار چوری کرو گے۔"

"ارے نہیں، کار والے سے کہیں گے کہ ہمیں صدر تک چھوڑ دے۔"

"تم نے کہا اور اس نے چھوڑ دیا۔" انجم نے طنزیہ لہجہ میں جواب دیا "میرے بھائی وقت مت ضائع کرو۔ ٹیکسی اسٹینڈ چلو چپ چاپ۔"

اسی وقت دکان سے ایک لڑکی ہاتھ میں بیگ لئے نمودار ہوئی۔ اس کا رخ کار کی جانب تھا۔

"بن گیا معاملہ۔" سعید چٹکی بجاتے ہوئے بولا۔ "آؤ چلو۔"

"ابھی تین لڑکیوں کے ہاتھ سے پٹتے پٹتے بچے ہو۔" انجم نے کہا۔ "کیا صدر کے بجائے پولیس اسٹیشن پہنچنے کا ارادہ ہے۔"

"تم آؤ تو سہی۔" سعید اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولا۔ "اول تو لڑکیوں کے ہاتھ سے پٹیں ہمارے دشمن۔ دوسرے فرض کرو اس نے ایک دو ہاتھ مار بھی دیئے تو یہاں کون دیکھنے والا ہے۔ اور اس سے زیادہ مارنے کا اسے موقع نہیں ملے گا۔ ہم پہلے ہی بھاگ چکے ہونگے۔"

سعید انجم کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے سڑک کے دوسری جانب لے چلا۔ لڑکی کار کے قریب آ کر دروازہ کھول رہی تھی کہ یہ دونوں اس کے قریب پہنچ گئے۔

"مادام میں ایک درخواست کر سکتا ہوں۔" سعید نے بڑے ادب سے کہا۔

"جی۔" لڑکی نے چونک کر سعید کو سر سے پیر تک گھورا۔

"ایک مرتبہ اور دیکھ لیجیے۔ ہم بہت شریف آدمی ہیں۔ بالکل برا نہیں مانیں گے۔" سعید نے بڑی متانت سے کہا۔

"کیا چاہتے ہیں آپ۔" لڑکی نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"یہ میرے بھائی ہیں۔" سعید نے انجم کی طرف اشارہ کیا۔ "ان کی بیگم پر دل کا زبردست دورہ پڑا ہے۔ ڈاکٹر نے۔۔۔"

"معاف کیجیے میں اس طرح کی کئی داستانیں سن چکی ہوں۔" لڑکی نے ناگواری سے کہا۔ "میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ آپ کو شرم آنا چاہیے۔ بظاہر آپ بہترین صحت کے مالک ہیں۔ جسم پر کپڑے بھی معمولی قیمت کے نہیں ہیں۔ مانگنے کے بجائے۔۔۔"

"بھیا! صرف سترہ منٹ رہ گئے ہیں۔" انجم نے گھڑی دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مادام آپ ہمیں بالکل غلط سمجھ رہی ہیں۔" سعید نے جلدی جلدی بولنا شروع کر دیا۔ "ہم کوئی بھیک نہیں مانگ رہے ہیں۔ میرے بھائی کی بیگم پر دل کا شدید دورہ پڑا ہے۔ ڈاکٹر نے جو دوا لکھ کر دی ہے وہ یہاں کسی دکان پر نہیں مل رہی ہے۔ ایک صاحب سے معلوم ہوا کہ صدر میں کوئی بہت بڑی دواؤں کی دکان ہے وہاں سے مل سکے گی مگر آپ دیکھ رہی ہیں کہ اس واہیات سڑک پر کوئی ٹیکسی رکشہ تک نظر نہیں آ رہا ہے۔ پلیز آپ ہمیں صدر تک لفٹ دے دیں۔ ہم شکر گذار رہیں گے۔"

"اوہ۔" لڑکی کے چہرے کے تاثرات کچھ نرم پڑے۔ "اتفاق سے آپ اس وقت اس علاقے کی سب سے بڑی دواؤں کی دکان پر کھڑے ہیں۔ آیئے پہلے یہاں ٹرائی کرتے ہیں۔"

"جی۔ دواؤں کی دکان۔" سعید نے چونک کر دکان کی طرف دیکھا

"جی ہاں۔ آیئے نا۔" لڑکی کار کا دروازہ بند کر کے واپس گھومی۔

سعید نے انجم کی طرف بے بسی سے دیکھ کر شانے اچکائے۔ مگر اب تو بات منہ سے نکل چکی تھی۔ مجبوراً لڑکی کے پیچھے چلتے ہوئے دکان میں داخل ہوئے۔

"ذرا دکھایئے۔ ڈاکٹر صاحب نے کونسی دوا لکھ کر دی ہے۔" لڑکی نے کاؤنٹر کے قریب رکتے ہوئے سعید سے کہا۔

"نکالنا انجم بھائی! ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا پرچہ۔" سعید نے اپنی بلا انجم کے سر ٹالی۔

"پرچہ۔" انجم نے جیبیں ٹٹولنا شروع کیں۔ "وہ تو شاید میں نے تمہیں دے دیا تھا۔"

"آرے۔" سعید نے زور سے پیشانی پر ہاتھ مارا۔ "کہیں وہ اس کوٹ میں تو نہیں رہ گیا جو میں پہلے پہنے ہوئے تھا۔"

"آپ کو دوا کا نام تو یاد ہوگا۔" سیلز مین نے پوچھا۔ لڑکی عجیب نظروں سے انجم اور سعید کو گھور رہی تھی۔

"نام۔" سعید نے جیسے ذہن پر زور دیتے ہوئے دہرایا۔ "جی ہاں

بھلا سا نام تھا۔ دیکھیے یاد آ گیا۔ پرائزو بانڈورن۔ جی ہاں پرائزو بانڈورن
بالکل یہی نام ہے۔"

"پرائزو بانڈورن۔" سیلز مین چونکا۔ "میں پہلی مرتبہ اس دوا کا
نام سن رہا ہوں۔ کس کمپنی کی ہے۔"

"یہ تو ہمیں معلوم نہیں۔" سعید نے سر کھجایا۔ "ویسے ڈاکٹر صاحب بتا رہے
تھے کہ پولی ٹیکنک انسٹیٹوٹ آف مدغاسکر نے برسوں کی تحقیق کے بعد
حال ہی میں دل کے بعض امراض میں اس کے استعمال کی سفارش کی ہے۔ تو
یہ دوا ہوگی آپ کے یہاں۔"

"بھیا۔" انجم نے گھڑی دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "صرف
چودہ منٹ رہ گئے ہیں۔"

"جی نہیں۔" سیلز مین نے جواب دیا۔ "یہ دوا ہمارے پاس نہیں ہے۔"

"پلیز جلدی کیجیے۔" سعید نے لڑکی سے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا کہ
اگر بیس منٹ کے اندر دوا نہیں آئی تو مریضہ کا انتقال بھی ہو سکتا ہے۔"

"آ ئیے۔" لڑکی نے سعید سے زیادہ انجم کی بسورتی ہوئی صورت سے
متاثر ہو کر کہا۔ تینوں تیز قدموں سے باہر کی طرف چلے۔

"اگر یہ کوئی نئی دوا ہے۔" سیلز مین نے پکار کر کہا۔ "تو صدر کے ہرجائی
میڈیکل اسٹور میں دیکھیے گا ضرور مل جائے گی۔"

پتہ نہیں سیلز مین نے سچ مچ ہرجائی میڈیکل اسٹور کہا تھا یا یہ سعید
کے کانوں کی شرارت تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پرائزو بانڈورن جیسی دوا کا نام

ن کی رگِ ظرافت بھی پھڑک اٹھی ہو۔ اور اسی کی رعایت سے
کل اسٹور کا نام تجویز کر دیا ہو۔ بہر حال ان نزاکتوں پر غور کرنے کا
ع تھا اور نہ وقت۔ سعید اور انجم تیزی کے ساتھ باہر نکلے۔ کار میں
لڑکی نے ڈرائیونگ وہیل سنبھالتے ہوئے کار اسٹارٹ کر دی۔

"ہمیں صدر کے مین بس اسٹاپ پر جانا ہے۔" سعید نے کہا۔ "کسی ایسے
ٹ کٹ سے چلیے گا کہ پانچ چھ منٹ میں پہنچ جائیں۔"

"سعید بھیا کل تیرہ منٹ رہ گئے۔" انجم جیسے رو دے رہا تھا۔

"حوصلہ رکھو انجم بھائی۔" سعید نے تسلی دی۔ "خدا نے چاہا تو وہ ضرور
جائے گی۔"

جی۔" لڑکی نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے پلٹ کر سعید کی طرف دیکھا
ل جائے گی۔"

"م۔ میرا مطلب ہے۔ دوا ضرور مل جائے گی۔" سعید نے جلدی
کہا۔ "ذرا رفتار تیز کیجیے نا۔ آپ کی کار تو جیسے پیدل چل رہی ہے۔"

"آپ مین بس اسٹاپ پر کیوں اترنا چاہتے ہیں۔" لڑکی نے اسپیڈ
ھاتے ہوئے پوچھا۔ "دواؤں کی دکانیں تو وہاں سے کافی فاصلے پر ہیں۔"

"جی۔ وہ۔ وہاں۔ ہمیں اپنے بھائی سے کچھ پیسے بھی تو لینا ہیں نا۔
اسٹاپ کے سامنے ان کا ریسٹورنٹ ہے۔" سعید نے کہا۔

"کیا نام ہے ریسٹورنٹ کا۔" لڑکی کے سوالات سعید کے لیے
ائش بنے ہوئے تھے۔

"تنویر ریسٹورنٹ۔" بے اختیار سعید کے منہ سے نکل گیا۔

"کوئی نیا کھلا معلوم ہوتا ہے۔" لڑکی نے پوچھا۔

"جی ہاں بالکل ابھی ابھی کھلا ہے۔"

"جی۔"

"میرا مطلب ہے حال ہی میں اس کا افتتاح ہوا تھا۔" سعید نے جیب سے رومال نکال کر پیشانی پر پھیرا۔

لڑکی خاصی تیز رفتاری اور مہارت سے کار چلا رہی تھی۔ انجم بے چینانہ انداز میں کھڑکی سے جھانک کر جلد سے جلد صدر پہنچنے کی دعا مانگ رہا تھا۔

"آگے چل کر بائیں ہاتھ والی گلی میں موڑ لیں تو سیدھے صدر پہنچ جائیں گے۔" انجم نے رائے دی۔

"آپ کا مطلب ہے سمر اسٹریٹ سے۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "مگر وہ تو ون وے ہے۔"

"جی ہاں۔ اس طرف سے جا سکتے ہیں۔ اُدھر سے نہیں آسکتے۔"

"میرا خیال ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔" لڑکی سوچتے ہوئے بولی۔ "اِدھر سے نہیں جا سکتے اُدھر سے آسکتے ہیں۔"

"آپ بھول رہی ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"آپ کہتے ہیں تو موڑے لیتی ہوں۔ کسی کانسٹبل نے روکا تو آپ ذمہ دار ہوں گے۔"

"جی ہاں بالکل۔" سعید نے سر ہلایا۔

لڑکی نے سمر اسٹریٹ میں کار موڑ دی۔ بظاہر کوئی ٹریفک کانسٹبل نظر نہیں آ رہا تھا۔ سعید نے اطمینان کی سانس لی۔ کچھ دور آگے چل کر سامنے سے ایک کار کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں۔

"دیکھیے میں نے کہا تھا نا۔" لڑکی بولی۔ "ہم غلط آئے ہیں۔"

"جی نہیں یہ کار غلط آ رہی ہے۔" سعید نے جواب دیا۔ کار ہارن بجاتی ہوئی قریب سے گذر گئی اس میں صرف ڈرائیور ہی تھا۔

"اب تو آپ کو یقین آ گیا ہوگا۔" سعید نے کہا۔

"کیا مطلب۔" لڑکی نے پوچھا۔

"اس میں صرف ایک آدمی تھا۔ جب کہ ہم تین ہیں" سعید نے جواب دیا۔ "اکثریت کبھی غلط نہیں کہتی۔"

کار اسٹریٹ سے نکل رہی تھی کہ کسی ٹریفک کانسٹبل کی سیٹی سنائی دی۔

"مزید ثبوت۔" انجم بولا۔ "کانسٹبل نے اس کار کو روکنے کے لئے سیٹی بجائی ہے۔ دیکھ لیجیے گا اب چالان کئے بغیر نہیں مانے گا۔"

"مگر وہ تو پہلے گزر چکی ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"ممکن ہے کانسٹبل اتنی دیر تک جیب میں سیٹی تلاش کرتا رہا ہو۔" سعید نے خیال ظاہر کیا۔

"میرا تو خیال ہے کہ یہ ہمیں دیکھ کر بجائی گئی ہے۔" لڑکی نے کار

ایک سائڈ میں روک لی۔ صدر کا مین بس اسٹاپ سامنے ہی تھا۔ سیٹی کی آواز برابر آ رہی تھی۔ لڑکی نے کھڑکی سے سر نکال کر جھانکا۔ ایک کانسٹبل دوڑتا ہوا کار کی طرف آ رہا تھا۔

"وہ دیکھیے کانسٹبل آ رہا ہے۔"

"اچھا۔" سعید نے دروازہ کھول کر اترتے ہوئے کہا۔ "آنے دیجیے اسے۔ دیکھیے کیسی خبر لیتا ہوں۔"

انجم بھی اتر آیا تھا۔ کانسٹبل کار کے قریب آ کر رک گیا۔

"کیوں جناب۔" سعید اس کے کچھ کہنے سے پہلے بول اٹھا۔ "یہ آپ لڑکیوں کو دیکھ کر سیٹی کیوں بجاتے ہیں۔ کیا نام ہے آپ کا۔ نمبر کیا ہے کس تھانے سے تعلق ہے۔ ڈپٹی کمشنر ظفر یار خاں میرے بہنوئی ہیں۔ میں ابھی انہیں فون کرتا ہوں۔ آخر آپ نے کیا سمجھ کر سیٹی بجائی تھی۔"

کانسٹبل بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ لڑکی حیرت سے سعید کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ جائیے۔" سعید کھڑکی میں جھک کر لڑکی سے مخاطب ہوا۔ "ہم رپورٹ کر کے ابھی آتے ہیں۔" پھر آواز دبا کر بولا۔ "لفٹ کا بہت بہت شکریہ۔"

لڑکی مسکرائی اور کار آگے بڑھ گئی۔ سعید کانسٹبل کی طرف گھوما۔

"ہاں جناب۔" وہ جیب سے نوٹ بک نکالتے ہوئے بولا۔ "کیا نام ہے آپ کا۔"

"آ۔ آپ لوگ غلط سمت سے آ رہے تھے۔" کانسٹبل ہکلایا۔ "یہ ون وے ہے۔"

"یہ ون وے ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ لڑکیوں کو دیکھ کر سیٹی بجائیں گے۔"

"معاف کیجیے گا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب آپ کے بہنوئی ہیں۔ آپ جا سکتے ہیں۔" کانسٹبل نے جواب دیا۔

"وہ تو ہم چلے ہی جائیں گے مگر۔"

"چھوڑو بھائی۔" انجم نے سعید کا بازو پکڑا۔ "غریب سے انجانے میں ایک غلطی ہو گئی۔ وہ تمہیں پہچانتا نہیں تھا۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔" کانسٹبل نے کہا اور جلدی سے سلام کر کے آگے بڑھ گیا۔

انجم اور سعید بس اسٹاپ کی طرف لپکے۔ انجم کی گھڑی کے مطابق صرف دو منٹ رہ گئے تھے۔

"مجھے نہیں معلوم تھا۔" اس نے تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے کہا "کہ تمہاری بہن بھی ہیں جن کی شادی ڈپٹی کمشنر صاحب سے ہوئی ہے۔"

"مجھے بھی نہیں معلوم تھا۔" سعید نے جواب دیا۔ "وہ تو کانسٹبل کو دیکھ کر اچانک یاد آ گیا۔"

دونوں بس اسٹاپ پر پہنچے۔ انیس نمبر کی ایک بس اسی وقت آ کر رکی تھی۔ تنویر ایک سے کتابیں اور دوسرے ہاتھ سے بیگ سنبھالتی ہوئی اتری۔

"شکر ہے۔" انجم نے ایک گہری سانس لی۔ تنویر بس سے اترنے کے بعد سڑک پار کرنے کے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی۔

"مجھ سے تو ان کا تعارف بھی نہیں ہے۔" سعید نے کہا۔ "تم ہی بات کرنا۔"

انجم نے اثبات میں سر ہلایا اور قدم بڑھا کر تنویر کے پاس پہنچا۔

"السلام علیکم۔" اس نے کہا۔ "اس دن کے بعد آپ لائبریری میں نظر ہی نہیں آئیں۔"

"غالباً آپ کو نظر آئے بغیر بھی میں لائبریری کی ممبر تو رہ سکتی ہوں۔" تنویر نے جواب دیا۔

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ مگر۔ وہ۔ دیکھیئے نا۔ مجھے انتظار تھا آپ کا۔"

"وہ کس سلسلہ میں۔"

اخلاق صاحب بتا رہے تھے کہ ادب کے بارے میں آپ کا ذوق بڑا ستھرا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ مطالعہ کے سلسلہ میں آپ سے کچھ مشورہ کر لیا جائے۔"

"تعجب ہے۔" تنویر نے حیرت سے کہا۔

"کس بات پر۔"

"آج آپ مجھ سے ڈر نہیں رہے ہیں۔"

"اوہ۔" انجم مسکرایا۔ "اس دن تو میں مذاق کر رہا تھا۔ ورنہ گستاخی معاف۔ آپ تو بہت خوبصورت ہیں۔"

"تعریف کا شکریہ۔" تنویر نے قدم اٹھایا۔ "اچھا خدا حافظ۔"

"ارے۔ ارے۔ سنئے تو سہی۔"

"کیا بات ہے۔ فرمایئے۔" تنویر رک گئی۔

"آج آپ لائبریری گئی تھیں۔"

"جی ہاں۔ گئی تھی۔"

"یہ کتابیں وہیں سے لائی ہیں۔"

"ظاہر ہے۔"

سعید قریب آ کر کھنکارا۔

"ان سے ملئے۔ یہ میرے دوست سعید صاحب ہیں۔" انجم نے تعارف کرایا۔

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی تنویر صاحبہ۔" سعید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مگر مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔" تنویر نے جواب دیا۔ "آپ گلشن لائبریری کے ممبر تو نہیں ہیں۔"

"جی نہیں۔ آپ کہیں تو بن جاؤں گا۔"

"خدا کے لئے ایسا غضب بھی مت کیجئے گا۔" تنویر جلدی سے بولی۔ "ورنہ مجھے اپنی ممبر شپ ختم کرنا پڑے گی۔"

"وہ کیوں۔" سعید نے پوچھا۔

"ایک لائبریری میں ایک ہی بور ممبر کافی ہوتا ہے۔" تنویر نے انجم کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"تعجب ہے آپ اپنے بارے میں ایسی رائے رکھتی ہیں۔" سعید نے سادگی سے کہا۔ "انجم بھائی تو آپ کی بہت تعریف کر رہے تھے۔"

"آیئے کہیں بیٹھ کر چائے پی جائے۔" انجم نے دعوت دی۔

"جی نہیں۔ شکریہ۔" تنویر نے خشک لہجہ میں جواب دیا۔ اور آگے بڑھ گئی۔

"دیکھیے وہ بات تو رہ ہی گئی جو میں کہنا چاہتا تھا۔" انجم نے جلدی سے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"کون سی بات۔" تنویر کو یاد نہیں تھی۔

"یہ کتابیں آپ کے پاس عذرا اور عذرا کی واپسی ہیں نا۔"

"جی ہاں۔ تو پھر۔"

"میں نے اخلاق صاحب کے پاس بہت دن سے فرمائش نوٹ کرائی ہوئی تھی۔" انجم نے کہا۔ "اور انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ جب بھی لائبریری میں یہ کتابیں آئیں تو وہ پہلے مجھے پڑھنے کا موقع دیں گے۔"

"تو پھر انھوں نے کتابیں مجھے کیوں جاری کر دیں۔"

"وہ بھول گئے تھے۔" انجم نے جواب دیا۔ "مگر چلیے کوئی بات نہیں۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ آپ ایک دن کے لئے کتابیں مجھے دیدیں۔ میں کل پڑھ کر آپ کو واپس کر دوں گا۔"

"کہاں واپس کر دیں گے۔"

"لائبریری میں۔ یا آپ چاہیں تو آپ کے گھر پر۔" انجم نے جلدی سے کہا۔

"جی نہیں۔ میں کتابوں کے بہانے آپ کو اپنے گھر تک پہنچنے کا موقع نہیں دینا چاہتی۔" تنویر نے جواب دیا۔ "اور نہ ہی میرے پاس اتنا وقت ہے کہ کل کتابیں لینے کے لئے لائبریری کا ایک چکر اور لگاؤں۔"

"دیکھیے میں ممنون ہوں گا آپ کا اگر آپ۔۔۔"

"مگر میں آپ کو ممنون کرنا نہیں چاہتی۔"

"اچھا صرف ایک دو گھنٹے کے لئے دے دیں۔"

"جی نہیں۔ واپسی کا سوال تو پھر بھی باقی رہے گا۔"

"مجھے ان میں ایک خاص چیز دیکھنا ہے۔" انجم نے خوشامد کی۔ "ہم چل کر کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھتے ہیں۔ جب تک آپ چائے پئیں گی میں اتنی دیر میں کتابیں دیکھ کر آپ کو واپس کر دوں گا۔"

"مجھے اس تجویز سے اتفاق نہیں ہے۔ ریسٹورنٹ میں مجھے آپ کے ساتھ دیکھ کر لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی ہے۔" تنویر نے بڑے سرد لہجہ میں جواب دیا۔ "اور براہ کرم آپ میرے ساتھ ساتھ بھی نہ چلیے۔"

"تو آپ کتابیں نہیں دکھائیں گی۔"

"جی نہیں۔"

"آپ کو معلوم ہے تنویر صاحبہ۔" انجم نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجہ میں کہا۔ "کچھ دیر پہلے میں نے جو کچھ آپ کے بارے میں کہا تھا بالکل غلط تھا۔ آپ خوبصورت تو کیا ٹھیک سے بدصورت بھی نہیں ہیں۔ میں زندگی بھر آپ سے زیادہ بدمزاج و بے مروت لڑکی نہیں دیکھی اس دن لائبریری میں میں بالکل مذاق نہیں کر رہا تھا۔ آپ کی صورت واقعی اتنی خوفناک ہے کہ مجھ جیسے شریف آدمی دیکھ کر سہم جاتے ہیں اچھا خدا حافظ۔"

وہ وہیں رک گیا۔ تنویر کوئی جواب دیئے بغیر خاموشی سے سڑک پار کر گئی۔

سعید قدم بڑھا کر انجم کے قریب آ گیا۔

"تم نے اسے جانے کیوں دیا۔" وہ بولا۔

"کوئی اور ترکیب کرنا پڑے گی سعید بھائی۔" انجم نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "تنویر کسی صورت کتابیں دینے پر آمادہ نہیں ہے۔"

سعید نے سڑک کے دوسری جانب دیکھا۔ تنویر بیگ ہلاتی ہوئی ایک بڑی سی کتابوں کی دکان میں داخل ہو رہی تھی۔

"تم نے اپنی کوشش کر لی۔ اب یاروں کو اپنا داؤں آزمانے دو۔"

اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ صاحبزادی بھی کیا یاد کریں گی۔"

"کیا کرو گے۔"

"کچھ بھی کروں۔ بہرحال کتابیں حاصل کئے بغیر پیچھا نہیں چھوڑنا ہے آؤ میرے ساتھ۔"

"کوئی سنگین شرارت مت کرنا۔" انجم نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں۔"

"ایسی نک چڑھی لڑکی سے محبت کرنے سے تو بہتر ہے کہ آدمی کسی بکری سے پیار کرنے لگے۔" سعید نے سڑک کراس کرتے ہوئے کہا

"اچھی بات ہے تو میں کل ہی سے نرگس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتا ہوں۔" انجم نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا۔" سعید نے گھور کر انجم کو دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" انجم مسکرایا۔ "ہمارے پڑوسی میر صاحب نے ایک بکری خریدی ہے اس کا نام انھوں نے نرگس رکھا ہے۔"

"ذرا ہوش میں صاحبزادے۔" سعید نے بظاہر بڑے غصہ سے جواب دیا۔ "ورنہ میں اپنے محلے کی ساری مرغیوں کا نام تنویر رکھ دوں گا۔"

تنویر جس دکان میں داخل ہوئی تھی وہ خاصی بڑی دکان تھی۔ چاروں طرف شیشے لگی الماریاں کتابوں سے بھری ہوئی کھڑی تھیں۔ سامنے ایک گوشے میں نیم دائرے کی شکل میں ایک چھوٹا سا کاؤنٹر

بنا ہوا تھا جس کے پیچھے کرسی ڈالے ایک ہونق سا نوجوان آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔ تنویر نے ہاتھ میں پکڑا ہوا بیگ اور دونوں کتابیں کاؤنٹر پر رکھ دی تھیں۔ انجم اور سعید بلا جھجکے کاؤنٹر تک بڑھتے چلے گئے۔

"اب آپ مجھے دیکھ چکے ہوں تو دو چار کتابیں نکال دیں۔" تنویر نے بڑے نرم لہجہ میں کہا۔

"جی۔ جی۔ جی ہاں۔ ضرور۔ فرمایئے۔" وہ کچھ جھینپ کر بولا۔

قدموں کی آہٹ سنکر تنویر نے پلٹ کر دیکھا مگر کیا مجال جو اس کے چہرے پر شناخت کا کوئی تاثر نمودار ہوا ہو۔ انجم تنویر کے قریب کاؤنٹر سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ سعید اس سے ذرا پیچھے تھا۔

"فرمایئے۔" نوجوان بک سیلر نے پہلے کباب کی ہڈیاں نکالنا مناسب سمجھا۔

کتابیں انجم کی دسترس کے اندر تھیں۔ تنویر نے دیکھا کہ اس کی نظریں مسلسل کتابوں پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنا بیگ کھولا اور کتابیں اٹھا کر اس میں رکھنے لگی۔ مگر شاید بیگ میں کچھ دوسری چیزیں نامحرموں کو جگہ دینے کے لئے آمادہ نہیں تھیں۔ بڑی مشکل سے ایک کتاب ٹھونس ٹھانس کر اندر رکھ کر تنویر نے بیگ بند کر دیا۔

"آپ کے پاس علامہ شرافت کی لکھی ہوئی کتاب "دیکھو مان جاؤ" ہو گی۔" انجم نے تنویر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی۔ اس نام کے تو کوئی علامہ ہی نہیں ہیں۔" نوجوان بک سیلر

نے پلکیں جھپکائیں۔

"کیوں جناب! میں جو اتنی دیر سے یہاں کھڑی جھک مار رہی ہوں وہ کچھ نہیں۔" تنویر نے بگڑتے ہوئے کہا۔ "پہلے آپ میری کتابیں نکالیے۔"

"جی۔ میں نے سوچا کہ ان حضرات سے نبٹ کر آپ کو اطمینان سے کتابیں نکال کر دوں۔"

"آپ نے بالکل درست سوچا تھا۔" انجم بولا۔ "حسین گاہکوں سے تنہائی میں ہی بات کرنا چاہیے۔"

"اگر آپ نے مجھے کتابیں نہیں دیں تو واپس چلی جاؤں گی۔" تنویر نے تیزی سے کہا۔

"چلئے آپ پہلے انہیں ہی نکال دیجئے۔" سعید نے گویا جھگڑا ختم کرنا چاہا۔ "ویسے آپ بتا سکتے ہیں کہ شاعر الملک تنویر جلالی صاحب کے تازہ کلام کا مجموعہ "میری بھابھی دکھاؤ کتابیں ہمیں" چھپ کر آ گیا ہے یا نہیں۔"

"جی نہیں ابھی تک تو نہیں آیا۔" نوجوان بک سیلر نہ جانے کس دھن میں کہہ گیا تھا۔ ایک دم چونک کر بولا۔ "کیا کہا تھا آپ نے کس کے تازہ کلام کا مجموعہ۔"

"کچھ نہیں۔ پہلے آپ ان سے بات کر لیں۔" سعید نے دوسری طرف منہ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ شاید وہ ہنسی چھپانے کی کوشش

کر رہا تھا۔

"جی۔" بک سیلر تنویر کی طرف گھوم گیا۔ "فرمایئے آپ کو کونسی کتابیں چاہئیں۔"

"نمبر ایک ڈاکٹر مرمت چارچوبی کی کتاب پاگل پن کا نیا علاج جوتے۔" تنویر نے جواب دیا۔ نمبر دو پروفیسر ہنڑ چڑالوی کی کتاب فوراً بھاگ جاؤ۔ نمبر تین مسٹر لا اینڈ آرڈر کی کتاب دکان سے جیل تک بس فی الحال یہ تین کتابیں نکال دیں۔"

بک سیلر صاحب منہ پھاڑے تنویر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"محترمہ۔" اس نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "یا تو آپ کچھ اور کہہ رہی ہیں اور میں کچھ اور سن رہا ہوں یا پھر ایک دم سے ایسے غیر معروف مصنفوں نے کتابیں لکھنا شروع کر دی ہیں جن سے میں واقف نہیں ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میری دکان میں اس نام کی کتابیں موجود نہیں ہیں۔"

"انجم بھائی تم نے وہ کتاب دیکھی۔" سعید نے ایک الماری کی طرف اشارہ کیا۔ "عنوان ہے ہمیں دھمکایئے نہیں۔"

"اور اس کے برابر میں وہ بھی تو رکھی ہے۔ کیا نام ہے اجی تم کیا تمہارے باپ کا پیچھا نہ چھوڑیں گے۔" انجم نے الماری کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے ایک کاپی بکواس مت کیجئے دیدیں۔" تنویر بک سیلر سے مخاطب ہوا

"آپ کا مطلب ہے شوکت تھانوی کی بکواس۔" بک سیلر نے پوچھا۔

"چلئے وہ بھی دے دیں۔"

"شکر ہے ایک کتاب تو سمجھ میں آئی۔" بک سیلر بڑبڑاتے ہوئے کتاب نکالنے لگا۔

"میرے خیال سے ہمارے ذوق کی کتابیں نہیں ہیں۔"

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ نہ ان کے پاس وہ ہے۔ "جھگڑے سے کوئی فائدہ نہیں۔" اور نہ وہ ہے۔ "ہم آپ کی کتابیں کھا تھوڑی جائینگے" تم نے جواب دیا۔ "چلو کوئی دوسری دکان دیکھیں۔

انجم اور سعید دکان سے باہر چلے گئے۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے کوشش کرنے دو۔" سعید بگڑنے لگا "تم نے پھر اپنی ٹانگ اڑا دی۔"

"میں نے سوچا کہ شاید مان جائے۔ مگر وہ تو بڑی ضدی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔" انجم نے جواب دیا۔

"اور اس ضدی لڑکی سے آپ فرما رہے ہیں محبت۔" سعید نے منہ بنایا۔ "شبانہ بدصورت ہی سہی مگر اس تنویر سے ہزار درجہ اچھی ہے۔ میرا کہنا مانو بھیا گھر جاؤ اور۔"

"شش۔" انجم نے آہستہ سے کہا۔ "وہ آ رہی ہے۔"

تنویر ایک ہاتھ میں بیگ اور دوسرے میں دو تین کتابوں کا رسل سا لٹکائے دکان سے باہر نکل رہی تھی۔

"میں تو کہتا ہوں اس وقت فٹ پاتھ پر کوئی نہیں ہے" سعید نے سرگوشی کی۔ "ایک جھپٹا مار کر پارسل چھین لیتا ہوں۔"

"ایک کتاب اس نے بیگ میں بھی رکھ لی ہے۔" انجم نے آہستہ سے بتایا۔

"تو پھر ایک ہاتھ پر میں قسمت آزمائی کرتا ہوں۔ دوسرے پر تم کوشش کرو۔"

"اور اس نے شور مچا دیا تو" انجم بولا۔

"تو اب اتنا رسک تو لینا ہی پڑے گا۔"

"اچھی بات تو بسم اللہ کرو۔"

"پہلے آپ" سعید ہچکچایا۔

"جی نہیں پہلے آپ۔"

"مال آپ کا ہے اس لئے پہلے آپ" سعید نے دلیل دی۔

"مشورہ آپ کا ہے اس لئے پہلے آپ۔"

تنویر اس وقت فٹ پاتھ پر چلتی ہوئی پندرہ بیس قدم آگے جا چکی تھی۔ اس نے دکان سے نکلتے وقت بھی انجم اور سعید پر کوئی توجہ نہیں دی تھی اور اب پلٹ کر دیکھا تھا۔

"بس تم اس پہلے آپ میں ہی رہ جانا اور وہ غائب بھی ہو جائے گی" سعید جھلا کر بولا۔

"باری تمہاری ہے تو اب آگے کیوں نہیں بڑھتے۔"

مگر اس سے پہلے کہ اس جھگڑے کا کوئی فیصلہ ہوتا قریب کی گلی سے کوئی آدمی تیزی سے نکل کر تنویر سے ٹکرایا اور اس پھرتی سے جھپٹا مار کر بیگ اور پارسل دونوں اس کے ہاتھ سے چھین کر بھاگ نکلا کہ ایک لمحہ کے لئے تنویر ہی نہیں انجم اور سعید بھی حیرت زدہ رہ گئے۔

"چور۔ چور۔ چور۔" تنویر چیخی۔

"پکڑو صاحبزادے! ورنہ وہ بیس ہزار گئے ہاتھ سے۔" سعید نے ایک جست لگاتے ہوئے کہا اور دوسرے لمحہ انجم اور سعید دونوں بے تحاشا چور کے پیچھے دوڑے چلے جا رہے تھے۔ کچھ اور لوگ بھی ان کے پیچھے بھاگ پڑے۔

چور بڑی تیز رفتاری سے بھاگ رہا تھا۔ دوسری ہوشیاری اس نے یہ کی تھی کہ پرہجوم سڑکوں کے بجائے گلیوں کی طرف جا رہا تھا۔ ایک گلی سے دوسری گلی میں اور دوسری گلی سے تیسری گلی میں۔ مگر انجم اور سعید بھی اس کا پیچھا چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اچانک چور سیدھا بھاگتے بھاگتے ایک پتلی سی تاریک و سنسان گلی میں گھوم گیا۔ انجم اور سعید گلی کے موڑ پر پہنچے تو ان سے آگے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز بالکل معدوم ہو چکی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ چور آگے جانے کے بجائے یا تو کسی مکان میں گھس گیا تھا یا کسی اندھیری جگہ چھپ کر ان دونوں کو

دھوکا دینا چاہتا تھا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" سعید نے ہانپتے ہوئے انجم کو گلی کے موڑ پر کھڑے رہنے کی ہدایت کی۔ "میں آگے جاتا ہوں۔ چور اگر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے تو جانے مت دینا۔"

دور فاصلے پر شور و غل کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ گویا کچھ اور لوگ بھی چور کے تعاقب میں لگے ہوئے تھے۔ سعید آگے بڑھ گیا۔ انجم نے اپنی سانس قابو میں کرتے ہوئے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ نو بجنے میں پندرہ منٹ تھے۔ اچانک اسے اپنے سیدھے ہاتھ کی طرف کسی حرکت کا احساس ہوا۔ انجم پھرتی سے گھوما۔ ٹھیک اسی لمحہ چور نے ایک جست لگائی اور انجم کو اپنے کندھے سے دھکا دیتے ہوئے آگے نکل گیا۔ انجم نے گرتے گرتے چور کی ٹانگ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ٹانگ پکڑ تو نہیں سکا مگر اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ چور خود بھی الجھ کر دو قدم کے فاصلے پر زمین گر پڑا۔ "سعید" انجم نے آواز دی اور اٹھ کر چور کی طرف لپکا۔

سعید خود بھی جو زیادہ دور نہیں گیا تھا کشمکش کی آوازیں سنکر پلٹ پڑا تھا۔ چور نے بڑھتے ہوئے انجم کے ایک لات ماری اور اٹھ کر بھاگنے لگا تھا کہ سعید نے دبوچ لیا۔ یہ لڑائی گلی کے سرے پر ہی ہو رہی تھی سعید نے چور کو پکڑا تو ایک لمحہ کے لئے بجلی کی روشنی میں دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دوسرے لمحہ چور کسی چکنی مچھلی کی طرح اس کی گرفت سے نکل گیا۔ جب سعید اٹھے وہ قریب کی دوسری گلی میں غائب ہو چکا

تھا۔ سعید اس کے پیچھے بھاگنا چاہتا تھا کہ اچانک اس کی نظر کتابوں کے پارسل پر پڑی۔ اسے خیال ہوا کہ چور دونوں چیزیں پھینک کر بھاگ گیا ہے۔ وہ پارسل اٹھانے کے لئے جھکا۔

چور کی لات انجم کے پیٹ پر پڑی تھی۔ بڑی مشکل سے وہ ایک ہاتھ سے پیٹ پکڑے ہوئے سعید کی طرف لنگڑاتا ہوا آ رہا تھا کہ اسی لمحہ روڈ پر آٹھ دس آدمی پکڑو پکڑو کا شور مچاتے ہوئے نمودار ہوئے۔ انھوں نے سعید کے ہاتھ میں پارسل دیکھا اور لپٹ پڑے۔

سعید پارسل اٹھا کر سیدھا ہو رہا تھا کہ اس نے اپنے آپ کو بیشمار ہاتھوں کی گرفت میں محسوس کیا۔ وہ بے اختیار چیخ اٹھا۔ "میں چور نہیں ہوں۔" مگر اس شور و غل میں اس کی آواز سننے والا کون تھا۔

سعید اور انجم کو پکڑ کر پہلے تنویر کے سامنے لایا گیا۔ اس وقت تک دو کانسٹبل بھی موقع واردات پر پہنچ چکے تھے۔

"کیوں بہن جی! یہ ہی لوگ آپ کے ہاتھ سے بیگ چھین کر بھاگے تھے۔" ایک صاحب نے انجم اور سعید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

تنویر اس وقت بیحد پریشان اور سہمی ہوئی سی نظر آ رہی تھی چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں نے کسی کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ مگر بیگ اور پارسل چھین کر بھاگنے والا ایک ہی آدمی تھا۔"

"ضرور یہ ہی ہوں گے۔" بک سیلر صاحب بھی اپنی دکان سے نکل آئے تھے۔ "یہ بہت دیر سے اس شریف خاتون کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔"

"حضرات آپ لوگوں کو شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔" انجم بولا۔ "چور کوئی اور تھا۔ وہ ہمارے سامنے ان صاحبہ کا بیگ اور کتابوں کا پارسل چھین کر بھاگا اور ہم اسے پکڑنے کے لئے بالکل اسی طرح بھاگے تھے جس طرح آپ لوگ۔ بلکہ ہم نے اسے پکڑ ہی لیا تھا۔ مگر چور بہت چالاک تھا۔ جان بچانے کے لئے اس نے کتابوں کا پارسل پھینکا تو ہم سمجھے کہ شاید بیگ بھی اسی کے ساتھ پھینک دیا ہوگا۔ اسے اٹھانے کے لئے ذرا رکے تھے کہ وہ برابر کی گلی میں غائب ہوگیا۔"

"پکڑے جانے کے بعد سب یہی کہتے ہیں۔" ایک کانسٹبل نے سخت لہجہ میں کہا۔ "تھانے پہنچ کر جب مار پڑے گی تو سب قبول دو گے۔"

"اچھا اب آپ لوگ اپنا اپنا کام کریں۔ یہاں بھیڑ نہ لگائیں۔" دوسرے کانسٹبل نے کھڑے ہوئے لوگوں کو ہدایت کی اور تنویر کی طرف دیکھ کر بولا "محترمہ آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا پڑے گا۔"

وہ ایک مرتبہ پھر مجمع کی طرف گھوما۔

"جن لوگوں نے ان بدمعاشوں کو پکڑا ہے وہ بھی ساتھ چلیں۔"

وہ بک سیلر صاحب سے مخاطب ہوا۔ "آپ بھی ساتھ چلیں گے۔"

"کون — میں۔" بک سیلر صاحب گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹے۔ "میں نے کیا کیا ہے۔"

"آپ نے ہمارے خلاف جھوٹی گواہی دی ہے۔" سعید نے بڑے مزے سے کہا۔ "پولیس اسٹیشن کیا اللہ نے چاہا تو آپ کو عدالت بھی جانا پڑے گا۔"

"حولدار صاحب میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے کچھ نہیں دیکھا۔" بک سیلر صاحب جلدی سے دکان کی طرف چلے۔

"آپ گھبرا کیوں رہے ہیں۔" ایک کانسٹبل نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ہم آپ کو صرف بیان دینے کے لئے تھانے لئے جا رہے ہیں۔"

"میری دکان کھلی ہوئی ہے۔" بک سیلر صاحب نے عذر پیش کیا۔

"تو اسے بند کر دیں یوں بھی تو اب دکان بند کرنے کا وقت ہوگیا ہے۔" دوسرے کانسٹبل نے جواب دیا۔

"ابھی تو صرف دکان بند کرائی جا رہی ہے۔" سعید یوں بولا جیسے وہ کسی اور مخاطب ہے۔ "مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں۔"

بک سیلر صاحب نے بڑی آناکانی کی مگر کانسٹبل کہاں چھوڑنے والے تھے۔ مجبوراً انہیں دکان کو تالا لگانا پڑا۔ اس مرحلے سے

فارغ ہو کر کانسٹبل پکڑنے والوں کی طرف متوجہ ہوئے تو پتہ چلا کہ آٹھ دس حضرات میں سے صرف ایک صاحب باقی رہ گئے ہیں دوسرے سب ایک ایک کر کے کھسک لیے۔

"دیکھئے یہ حال ہے ہماری قوم میں احساسِ شہریت اور احترام قانون کا۔" ایک کانسٹبل نے ان صاحب سے شکایتاً کہا، بھلا بتایئے جب پبلک ہم سے تعاون نہیں کرے گی تو ہم کیا خاک مجرموں کو سزا دلوا سکیں گے۔"

دراصل اس کی وجہ جہالت ہے۔" ان صاحب نے بڑی بردباری سے جواب دیا۔ "لوگ اتنا نہیں جانتے کہ اگر پولیس مجرموں کے ساتھ گواہوں کو بھی پکڑ کر حوالات میں بند کر دیا کرتی ہے تو اسکی وجہ محض یہ ہوتی ہے کہ مجرموں کے ساتھی انہیں نقصان نہ پہنچائیں یا ڈرا دھمکا کر بیان نہ بدلوا دیں۔ پھر یہ کہ کچھ لوگوں نے خواہ مخواہ افواہیں بھی پھیلا رکھی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تھانے میں قدم رکھنے کے بعد پولیس والوں کو یہ یاد نہیں رہتا کہ مدعی کون ہے، ملزم کون ہے۔ اور گواہ کون ہے۔ وہ سب کو ایک آنکھ سے دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ ایک آنکھ سے دیکھنا عین تقاضائے انصاف ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس افواہ کی تہہ میں کوئی یک چشم انسپکٹر یا سب انسپکٹر صاحب ہونگے۔ مگر اب اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہر تھانے میں چھانٹ چھانٹ کر ایسے ہی لائق وفائق بزرگ بھرتی کر دیئے گئے ہیں۔"

"جی۔" کانسٹبل نے گھور کر ان صاحب کو دیکھا۔

"جی ہاں۔ اور سنئے۔ کہا جاتا ہے کہ یورپ و امریکہ وغیرہ میں پولیس والوں کو تلقین کی جاتی ہے کہ ہر آدمی کو اس وقت تک شریف سمجھو جب تک اس کا جرم ثابت نہ ہو جائے۔ پہلی بات تو یہ ہی ضروری نہیں کہ اگر ہم یورپ اور امریکہ کی برائیاں اپنا رہے ہیں تو بھلائیوں کو بھی ضرور اپنائیں۔ ایک وقت میں ایک ہی کام ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر ہر آدمی کو شریف سمجھنا شروع کر دیا جائے تو پولیس آخر پکڑے گی کسے۔ مجرموں کی تو چاندی ہو جائے گی۔ اس کے برعکس ہمارے یہاں کا اصول دیکھئے کتنا سنہری اور کارآمد ہے کہ ہر آدمی کو اس وقت تک مجرم سمجھو جب تک وہ اپنی شرافت نہ ثابت کر دے۔ اس سے زیادہ منصفانہ بات کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔ بھلا بتائیے کوئی ہمارے آپ کے ماتھے پر لکھا ہے کہ ہم شریف ہیں۔ پہلے اصول میں بارِ ثبوت پولیس کی گردن پر ہوتا ہے کہ اب وہ آپ کو مجرم ثابت کرتی پھرے۔ جیسے اسے دنیا میں کوئی اور کرنے کا کام ہی نہیں ہے۔ آخر کسی کو خواہ مخواہ کے جھنجھٹ میں مبتلا کرنے سے فائدہ۔ جبکہ دوسرے اصول میں ثبوت فراہم کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ پولیس کو اس دردِ سری میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آپ ایسے ہی اپنی شرافت منوانے پر تلے ہوئے ہیں تو بسم اللہ جائیے کوشش کیجیے۔ ہو سکتا ہے کہ آخر کار ہم مان ہی لیں۔"

"مسٹر۔" دوسرے کانسٹبل نے ان صاحب کو گھورتے ہوئے پوچھا "آپ کوئی سیاسی لیڈر تو نہیں ہیں۔"

"جی نہیں۔" وہ صاحب کچھ شرما کر بولے "بس قوم کا خادم ہوں کل شام پبلک پارک میں میرا جلسہ ہو رہا ہے۔ ڈیوٹی پر نہ ہوں تو ضرور تشریف لائیے گا۔"

اتنی دیر میں بک سیلر صاحب دکان مقفل کر چکے تھے۔ کانسٹبلوں نے دو ٹیکسیاں پکڑیں۔ ایک میں خود انجم اور سعید کے ساتھ بیٹھے اور دوسری ٹیکسی میں تنویر اور دونوں کو ا ہان کو بٹھایا اور یہ قافلہ صدر پولیس اسٹیشن روانہ ہوا۔ جو یوں تو صرف دو فرلانگ کے فاصلے پر تھا لیکن ون وے ٹریفک کی برکت سے تقریباً ایک میل دور ہو گیا تھا۔ ایس ایچ او صاحب موجود نہیں تھے اس لئے ایک سب انسپکٹر کے سامنے پیشی ہوئی۔ کتابوں کا پارسل بھی برآمد شدہ چوری کے مال کی حیثیت سے سب انسپکٹر صاحب کے معائنے سے گذارا گیا۔ کانسٹبلوں نے بڑی تفصیل سے واردات کی رپورٹ سنائی۔ سب انسپکٹر نے میز پر کہنیاں ٹکاتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے ایک دوسرے سے ملائے بڑے ماہرانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے انجم اور سعید کی طرف دیکھا۔

"صورت سے تو آپ لوگ بڑے شریف نظر آتے ہیں۔"

کمرے میں حاضرین کا انداز نشست کچھ یوں تھا کہ سب انسپکٹر

صاحب کی میز کے سامنے ایک نیم دائرے کی شکل میں پانچ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جن میں سے دو ایس ایچ او صاحب کے آفس سے منگوائی گئی تھیں۔ سب انسپکٹر صاحب کے داہنے ہاتھ پر سب سے پہلی کرسی پر تنویر بیٹھی تھی۔ اس کے برابر لیڈر صاحب ان کے برابر بک سیلر صاحب اور پھر سعید و انجم۔ دونوں کانسٹبل ان دونوں کی کرسیوں کے پیچھے بظاہر اس لئے کھڑے تھے کہ کہیں ملزم بھاگنے کی کوشش نہ کریں۔ یہ دوسری بات تھی کہ تنویر بالکل ان کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اور ایک بنجھ دو کاج والا معاملہ تھا۔

"خدا آپ کا بھلا کرے انسپکٹر صاحب۔" سعید نے مسکا لگا کر سب انسپکٹر کا سب ڈاک اڑاتے ہوئے کہا۔ "اتنے آدمیوں میں حق بات کہنے کی جرأت صرف آپ کو ہوئی ہے۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ ہم چور نہیں ہیں بلکہ چور کو پکڑنے کے لئے بھاگے تھے۔"

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"جی میرا نام سعید ہے اور یہ میرے دوست انجم ہیں۔"

"کہاں رہتے ہیں۔" دوسرا سوال کیا گیا۔ جواب میں انجم اور سعید نے اپنا اپنا پتہ نوٹ کرا دیا۔

"دیکھئے یہ بات تو طے ہے کہ آپ ان صاحبہ کا تعاقب کر رہے تھے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"جی ہاں یہ بات تو طے ہے۔" انجم نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"تو آپ تسلیم کرتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے چونک کر پوچھا۔
"جب تنویر صاحبہ ہمارے آگے آگے چل رہی تھیں تو ہم اس کے علاوہ اور کیا کر سکتے تھے۔"
"تو آپ ان کا نام بھی جانتے ہیں۔"
"جی ہاں یہ بات بھی تقریباً طے ہی سمجھئے۔" سعید بولا۔
"خوب۔" سب انسپکٹر نے معنی خیز لہجہ میں کہا۔ "اور اس تعاقب سے آپ کا مقصد تنویر صاحبہ کا بیگ اڑانا تھا۔"
"جی نہیں شروع میں یہ بات طے نہیں تھی۔" سعید نے جواب دیا "البتہ آخری مرحلے میں انجم صاحب نے تجویز پیش کی تھی کہ اب اس کے بغیر چارہ نظر نہیں آتا۔"
"کیوں جھوٹ بول کر گناہگار ہوتے ہو۔" انجم بول پڑا۔ "یہ تجویز میری تھی یا تمہاری۔"
"مگر تائید تو تم نے بھی کی تھی۔" سعید نے کھٹ سے کہا۔ "اتنا ہی نہیں بلکہ بیگ اور پارسل میں سے ایک چیز خود بھی اڑانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔"
"خوب خوب۔" سب انسپکٹر صاحب نے اظہارِ پسندیدگی کے طور پر سر ہلایا۔ "آپ لوگوں کی راست گوئی کا جواب نہیں۔ مگر آپس میں الجھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ تو بہرحال ثابت ہو گیا کہ آپ لوگوں کا ارادہ چوری کا تھا۔"

"جی ہاں جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ۔ یہ بات تو ہے۔" انجم نے جواب دیا۔
"مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" سب انسپکٹر صاحب دل ہی دل میں بہت خوش تھے کہ کیس تو بالکل حلوہ ثابت ہو رہا ہے۔
"وہ کیا۔ ہمیں بتائیے ہم سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔" سعید نے بڑی آمادگی سے کہا۔
"جہاں تک تنویر صاحبہ کے بیگ کا تعلق ہے۔" سب انسپکٹر صاحب سوچتے ہوئے بولے۔ "یہ بات عقل میں آتی ہے کہ آپ لوگوں نے سوچا ہوگا کہ اس میں کوئی بڑی رقم وغیرہ رکھی ہے۔ ایسا ہونا بہرحال ممکن تھا۔ مگر کتابوں کے پارسل سے آپ کی کیا دلچسپی تھی۔"
"انسپکٹر صاحب مسلمان ہیں تو یقین کیجئے گا۔ بخدا ہماری دلچسپی تو صرف کتابوں سے ہی تھی۔" انجم نے بڑے خلوص سے جواب دیا۔
"کیا مطلب۔" سب انسپکٹر نے آنکھیں پھاڑیں۔ "یعنی آپ کتابیں چرانا چاہتے تھے۔"
"جی ہاں۔ اور وہ بھی صرف دو۔" سعید نے بتایا۔ "تنویر صاحبہ نے دکان سے جو کتابیں خریدی تھیں ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ تنویر جوجو کے اچانک حملے پھر اس کے بعد ہونے والے ہنگامے اور پولیس تھانے وغیرہ کے خیال سے سراسیمہ ہو گئی تھی اب بڑی حد تک سنبھل چکی تھی اور اس صورت حال سے لطف

اندوز ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دبی ہوئی شوخی کی چمک اور ہونٹوں پر ہلکا تبسم بھی نظر آ رہا تھا۔

"حیرت ہے۔" سب انسپکٹر صاحب نے غور سے انجم کی طرف دیکھا دیکھا۔ "کتابوں کی چوری۔ غالباً اب اس کے بعد آپ یہ دعویٰ کریں گے کہ یہ سوٹ وغیرہ آپ نے یونہی نہیں پہن لیے بلکہ آپ لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہیں۔"

"خدا بہتر جانتا ہے انسپکٹر صاحب۔ حقیقت تو یہ ہی ہے مگر آپ نہ مانیں تو ہم آپ کا کیا بگاڑ لیں گے۔" سعید نے جواب دیا۔

"کہاں تک تعلیم ہے آپ کی۔" بڑے طنزیہ انداز میں سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"جی یہ میرے دوست سعید صاحب تو بی۔ اے ہیں۔" انجم نے جواب دیا "اور عنقریب بی پاس ہونے والے ہیں۔ میں ایم کام کی تیاری کر رہا ہوں۔"

"جی۔" سب انسپکٹر کی حیرت دیکھنے کے قابل تھی۔

اتنا ہی نہیں انسپکٹر صاحب انہیں آج شام بی پاس کی سند بھی مل چکی ہے۔" سعید نے جلدی سے بتایا۔

"سعید بھائی!" انجم نے گھور کر دیکھا۔

"ہوں۔ تم میری پول کھولو تو کچھ نہیں اور میں سچی بات کہہ دوں تو سعید بھائی!" سعید نے منہ بسورا۔

"آپ لوگ کرتے کیا ہیں۔" سب انسپکٹر کو بالکل یقین نہیں آیا تھا۔

"یہ نہ پوچھیے تو بہتر ہے۔" انجم نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"انسپکٹر صاحب یہ حضرت نہیں بتاتے تو مجھ سے پوچھیے۔ میں بتاتا ہوں۔" سعید نے جلدی سے کہا۔ "آخر انھوں نے کیا سمجھ کر مجھ پر آنکھیں نکالی تھیں۔ میں ان کی ایک ایک بات کھول کھول کر بیان کروں گا۔"

"چلیے آپ ہی بتا دیجیے کہ یہ کیا کرتے ہیں۔" سب انسپکٹر مسکرایا۔

"سعید بھائی۔" انجم نے پھر گھورا۔

"دیکھ لیجیے انسپکٹر صاحب اب یہ آپ کے سامنے دوبارہ دھمکی دے رہے ہیں۔" سعید نے شکایت کی۔

"مسٹر آپ پولیس کی تحقیقات میں رکاوٹ مت ڈالیے ورنہ میں دوسرا چارج بھی لگا دوں گا۔" سب انسپکٹر صاحب نے ایک ڈانٹ پلائی اور سعید کی طرف دیکھ کر بولے۔ "آپ بلا خوف و خطر اپنا بیان دیں کوئی آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔" بتائیے یہ حضرت کیا کرتے ہیں۔"

"انسپکٹر صاحب خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ۔۔۔" سعید نے انجم کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ ہاں۔" سب انسپکٹر نے گویا ہمت بندھائی۔ "کہ یہ کیا کرتے ہیں۔"

"کہ یہ لینڈ کسٹم انسپکٹر ہیں اور سرحد پر آتے جاتے لوگوں کی تلاشی لے کر اسمگلروں کو پکڑا کرتے ہیں۔" سعید نے جلدی جلدی کہا اور فقرہ پورا کر کے اس طرح ایک گہری سانس لی جیسے کوئی بڑا بھاری بوجھ سر سے اتار کر پھینک دیا ہے۔

"کیا۔" سب انسپکٹر کرسی سے اچھل پڑا۔

"اور ذرا ان صاحب سے بھی پوچھیے کہ یہ خود کیا ہیں۔" انجم نے گویا دانت پیستے ہوئے کہا۔ "کیا یہ خود کسٹم میں انسپکٹری نہیں کرتے۔ کیا یہ میرے ساتھ ہی بارڈر پر مسافروں کا سامان چیک نہیں کرتے ذرا پوچھیے ان سے۔ میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔"

سب انسپکٹر ہی نہیں دونوں کانسٹبل اور معزز گواہان بھی حیرت سے آنکھیں پھاڑے ان عجیب و غریب چوروں کو دیکھ رہے تھے۔ تنویر کو البتہ حیرت کے بجائے ہنسی ضبط کرنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔

"کیا ثبوت ہے آپ کے پاس کہ آپ دونوں کسٹم انسپکٹر ہیں۔" سب انسپکٹر نے آخر اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ "میں بغیر کسی دستاویزی ثبوت کے آپ کے بیانات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"یہ کوئی بات ہوئی نا انسپکٹر صاحب۔" انجم نے داد دی اور سعید کی طرف دیکھ کر میز پر گھونسا مارا۔ "ہاں جناب تو اب ثابت کیجیے کہ میں کسٹم انسپکٹر ہوں۔ پیش کیجیے کوئی دستاویزی ثبوت۔"

"جیسے آپ ثابت کر دیں گے۔" سعید نے کچھ مرجھائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ اور سر کھجاتے ہوئے بولا۔ "ثبوت کا معاملہ تو بہت ٹیڑھا ہے انسپکٹر صاحب۔ آپ ان کی تلاشی لیجیے۔ شاید جیبوں میں کوئی کاغذ یا ملاقاتی کارڈ وغیرہ نکل آئے۔"

سب انسپکٹر نے انجم کی طرف دیکھا۔

"اگر آپ میری تلاشی لینے کا ارادہ کر رہے ہیں تو میں مطالبہ کروں گا کہ سعید صاحب کی تلاشی بھی لی جائے۔" انجم نے کہا۔

"آپ دونوں اپنی اپنی تلاشی دیں۔" سب انسپکٹر نے حکم دیا۔ "بلکہ بہتر ہوگا کہ خود اپنی جیبوں سے چیزیں نکال کر یہاں رکھ دیں۔"

"پولیس اسٹیشن میں بیٹھا ہوں اس لیے ظاہر ہے کہ آپ کا حکم ماننے پر مجبور ہوں۔" انجم نے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "مگر میں اس غیر قانونی کارروائی کے خلاف احتجاج ضرور کروں گا۔"

"تو آپ ہمیں قانون سکھانا چاہتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے غصے سے کہا۔ "چلیے چلیے چیزیں نکالیے جلدی۔ ورنہ ایک رات کی حوالات میں ساری قانون دانی نکل جائے گی۔"

انجم نے جیب سے چیزیں نکال کر سب انسپکٹر صاحب کے سامنے رکھنا شروع کیں۔ ایک قلم، ایک رومال، سگرٹ کیس معہ لائٹر، پرس جس میں کچھ کم سو روپے تھے۔ بس کے دو استعمال شدہ ٹکٹ۔ ایک جیب میں دو تین ثابت چلغوزے اور تقریباً اتنے ہی چلغوزوں کے چھلکے دوسری چیز میں کوئی دو روپیہ کی ریزگاری۔ انجم نے سب چیزیں سب انسپکٹر کے سامنے ڈھیر کر کے فاتحانہ نظروں سے سعید کی طرف دیکھا۔

"جناب میں کوئی ایسا ویسا کاغذ جیب میں رکھ کر نکلتا ہی نہیں۔" وہ بولا اور سب انسپکٹر سے مخاطب ہوا۔ "کہیے آپ کا اطمینان ہوا یا ابھی کچھ اور دکھاؤں۔"

"آپ بھی اپنی چیزیں نکالیے۔" سب انسپکٹر انجم کی بات نظر انداز کر کے سعید کی طرف متوجہ ہوا۔

"آرے انسپکٹر صاحب آپ بھی کس کی باتوں میں آ رہے ہیں۔" سعید نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔ "میں ان حضرت کے نکاح میں شریک ہونے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ میری جیبوں میں کوئی ایسا۔۔۔۔"

"آپ جیبیں خالی کرتے ہیں یا نہیں۔" سب انسپکٹر نے تیزی سے کہا۔ "آپ لوگوں کو ثابت کرنا پڑے گا کہ آپ کسٹم انسپکٹر ہیں۔"

"ارے مشیر صاحب یہ گدھے کیا ثابت کریں گے۔ میں بتاتا ہوں کہ یہ کون ہیں۔" دروازے کی طرف سے ایک آواز آئی۔ سب انسپکٹر صاحب نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور ایک دم گھبرا کر نہ صرف کھڑے ہو گئے بلکہ سیلوٹ بھی کھینچ مارا۔ انجم اور سعید نے بھی پلٹ کر دیکھا اور دیکھتے ہی ان کے منہ بن گئے۔

"جی ہاں گدھے نہ ہوتے تو آپ ہمیں بھائی صاحب کہہ کر مخاطب کیوں کیا کرتے۔" سعید نے جواب دیا۔

"تمیز سے بات کیجیے۔" سب انسپکٹر نے ڈانٹا۔ "آپ ہمارے تھانے کے ایس ایچ او سلطان احمد صاحب ہیں۔"

سلطان احمد مسکراتے ہوئے آگے بڑھے۔

"بے مروتی کی حد ہو گئی۔" انھوں نے انجم اور سعید کی پیٹھ پر ایک ایک ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔ "اتنی مدت کے بعد ملے ہو۔ کھڑے ہو کر

لے بھی نہیں لگ سکتے۔"

"جی ہاں۔" انجم نے کھڑے ہو کر پیٹھ سہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "ایک صاحب جیبوں کی تلاشی لیکر کپڑے اتروانے کی تیاری کر رہے تھے۔ دوسرے صاحب نے آتے ہی مرمت شروع کر دی۔ اور پولیس والوں سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔"

سب انسپکٹر مشیر بڑی حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ تنویر بھی متعجب سی تھی۔

"اپنی حیرت دور کر لیجیے مشیر صاحب۔" سلطان احمد نے باری باری انجم اور سعید سے گلے ملتے ہوئے کہا۔ "یہ دونوں میرے بہت عزیز دوست اور بچپن کے ساتھی انجم اور سعید ہیں۔ اور واقعی کسٹم میں انسپکٹر کے عہدے پر کام کرتے ہیں۔"

غنیمت ہے کہ آپ تشریف لے آئے ورنہ آج تو عزت سادات بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔" سعید نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ کیا۔" سلطان احمد نے شکایتی لہجہ میں کہا۔ "یہ آپ و جناب کب سے شروع ہو گیا۔"

"بھیا تھانے میں بیٹھ کر اور کیا کہہ سکتے ہیں۔" انجم نے سوکھے منہ سے جواب دیا۔ "حوالات میں بند کرانے کی دھمکی تو مل ہی چکی ہے۔"

اس نے سب انسپکٹر مشیر کی طرف دیکھا۔

"معاف کیجیے گا انجم صاحب۔" مشیر نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ "مجھے

کیا معلوم تھا کہ آپ ایس ایچ او صاحب کے دوست ہیں۔ اور آپ نے بھی نہیں بتایا۔"

"مگر بھئی یہ قصہ کیا تھا۔" سلطان احمد نے سب انسپکٹر مشیر کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"قصہ کیا ہوتا۔" انجم نے جواب دیا۔ "میری دو کتابیں ایک صاحب نے لائبریری میں جا کر فروخت کر دیں۔ بدقسمتی سے میں نے ان کے کور میں دس دس روپیے کے دو انعامی بانڈ رکھ دیئے تھے۔ جیسے ہی مجھے اس کا پتہ چلا میں لائبریری پہنچا۔ وہاں معلوم ہوا کہ ابھی ابھی تنویر صاحبہ دونوں کتابیں لے گئی ہیں۔ میں اور سعید ان کے پیچھے بھاگے راستے میں کیا کیا مرحلے طے کیے یہ ایک علیحدہ داستان ہے کبھی فرصت میں سن لینا۔ بہرحال جب صدر میں بہ مشکل تنویر صاحبہ ہاتھ آئیں۔۔۔"

"میں ایک پولیس افسر کی موجودگی میں ایسے الفاظ استعمال کرنے پر احتجاج کرتی ہوں جن کے کچھ اور معنے بھی نکالے جا سکتے ہوں۔" تنویر نے اتنی دیر میں پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

سلطان احمد نے غور سے تنویر کی طرف دیکھا پھر انجم کی طرف کچھ سوچا۔

"بالکل درست۔ اعتراض معقول ہے۔" انھوں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "آئندہ اس بات کا خیال رکھا جائے۔ بیان جاری رہے۔"

"حالانکہ ہاتھ آنا اس موقع کے لئے محاورتاً بالکل درست تھا

مگر میں اس پر اصرار نہیں کروں گا۔" انجم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہرحال تو جب یہ ملیں تو انھوں نے ہزار خوشامد کے باوجود کتابیں دینے یا دکھانے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً ہم لوگ چوری کا پروگرام بنا رہے تھے کہ کسی خدا کے بندے نے اس نیک کام میں ہم پر سبقت حاصل کر لی اور ایک ہی جھپٹے میں بیگ اور کتابوں کا پارسل لے بھاگا۔ ہم اسے پکڑنے کے لئے پیچھے دوڑے اور انجام کار خود پکڑے گئے۔ اس درمیان میں چور سے ایک ہلکی سی مٹھ بھیڑ بھی ہو گئی تھی جس کے نتیجہ میں وہ یہ پارسل چھوڑ بھاگا جو آپ کے سامنے میز پر رکھا ہے۔"

"اگر آپ مجھے پہلے ہی یہ بتا دیتے کہ آپ کتابوں میں اپنا انعامی بانڈ دیکھنا چاہتے ہیں تو۔۔۔" تنویر نے کہنا شروع کیا کہ سلطان احمد نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"ایک منٹ تنویر صاحبہ۔" اس نے کہا اور انجم کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ "صاحبزادے میں یقین نہیں کر سکتا کہ تم صرف بیس روپیہ کے انعامی بانڈ کے لئے اتنی دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ ضرور کوئی اور بات بھی تھی۔"

"اگر آپ کا مطلب ہے کہ میں نے وہ تنویر صاحبہ کے ہاتھ آنے کا جملہ دانستہ بولا تھا تو میں۔۔۔"

"یہ غچہ اسے دو جو تمہیں جانتا نہ ہو۔" سلطان احمد نے ایک مرتبہ پھر بات کاٹ دی۔ "جو وجہ تم مجھے سمجھانا چاہتے ہو۔ وہ بھی ممکن

ہو سکتی ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ تم نے یا سعید نے کبھی اس طرح [illegible]
کا پیچھا نہیں کیا۔ اور اگر مجھے غلط یاد نہیں آ رہا ہے تو ابھی کل ہی
دس روپیہ ...."

"ایک پولیس افسر کے منہ سے نیک چال چلن کے اس سرٹیفکیٹ
کے لئے میں ممنون ہوں۔" انجم نے جلدی سے کہا۔

"بات مت کاٹو۔" سلطان احمد نے غصیلی نظروں سے انجم کی
طرف دیکھا۔ "میرے منہ سے نہیں کہلوانا چاہتے تو خود ہی بتا دو۔"

"سچ کہہ رہے ہو بھائی۔" انجم نے ایک گہری سانس لی۔ "میرا بیس
ہزار روپیہ کا انعام نکل آیا ہے۔"

"یہ بات ہوئی نا۔" سلطان احمد نے ایک قہقہہ لگایا۔ "تو اب
دیکھ کیا رہے ہو۔ یہ رکھا ہے پارسل کھول کر دیکھتے کیوں نہیں۔"

انجم نے پارسل اٹھا کر اس کی سُتلی توڑی۔ ایک نمایاں اضطراب
کے ساتھ کتابوں پر سے کاغذ علیحدہ کیا۔ تین کتابوں میں ایک کتاب عذرا
بھی تھی مگر اس پر لکھے ہوئے نمبر کو دیکھتے ہی انجم کا منہ لٹک گیا۔

"کیا یہی کتاب ہے۔" سلطان احمد نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں یہ بھی ایک کتاب ہے۔" انجم نے جواب دیا۔

"بھلے آدمی تو اس کے اندر بانڈ دیکھتے کیوں نہیں۔ کہاں رکھا تھا۔"

"کور میں۔" انجم نے بتایا۔ "مگر دیکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس میں بانڈ ضرور ہوگا
مگر وہ نہیں جس پر انعام نکلا ہے۔ وہ کتاب تنویر صاحبہ نے اپنے بیگ میں رکھ دی تھی اور
وہ بیگ چور لے بھاگا ہے۔"

بغیر کور کے اندر دیکھے ہوئے تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ" سلطان احمد
نے اعتراض کیا۔

"آپ یہ نمبر دیکھ رہے ہیں۔" انجم نے کتاب کی جلد پر لکھے ہوئے نمبر
کی طرف اشارہ کیا۔ "جس سیریل نمبر کا بانڈ کتاب کے کور میں رکھا ہے
اس کا پہلا اور آخری عدد یہ لکھا ہوا ہے۔ اور یہ انعامی نمبر کے عدد
نہیں ہیں۔ ویسے میں آپ کی تسلی کے لئے کھول کر بھی دیکھ لیتا ہوں۔"

اس نے کتاب کا کور علیحدہ کیا۔ اندر سے ایک دس روپیہ کا
بانڈ برآمد ہوا۔ انجم نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور سلطان احمد کی
طرف بڑھا دیا۔

"آپ خود دیکھ لیں۔" وہ بولا۔ "انعامی نمبر کا پہلا عدد سات اور
آخری چھ ہے۔"

"پھر تو بڑی افسوسناک بات ہے۔" سلطان احمد نے تنویر کی طرف
دیکھا۔ "آپ نے اس چور کی صورت دیکھی تھی۔ اگر دیکھی ہو تو میں مجرموں
کے فوٹو نکلواتا ہوں۔ وہ کوئی ایسا چور ہوا جس کا ریکارڈ پولیس کے
پاس ہے تو آپ یقیناً اسے شناخت کر لیں گی۔"

"مگر میں اس کی صورت نہیں دیکھ سکی تھی۔" تنویر نے جواب دیا۔
"میرے خیال سے اب تو غالباً ہم لوگوں کی موجودگی ضروری نہیں

رہی ہے۔" لیڈر صاحب نے پوچھا۔

"اوہ۔ جی ہاں آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔" مشیر نے جلدی سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کو بلاوجہ زحمت دی گئی۔"

"کوئی بات نہیں۔" لیڈر صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کم سے کم میں تو اس بلاوجہ کی زحمت کا خاصی عادی ہوں۔ البتہ جمالی صاحب کے لئے شاید یہ پہلا تجربہ تھا۔"

انھوں نے بک سیلر نوجوان کی طرف دیکھا۔

"چلئے جناب دکان تک تو آپ کا ساتھ رہے گا ہی۔ میں اپنا اسکوٹر وہاں چھوڑ آیا ہوں۔"

وہ دونوں باہر چلے گئے تو سلطان احمد تنویر کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ کے بیگ میں کوئی اور قیمتی چیز نہیں تھی۔"

"جی نہیں۔"

"نقدی وغیرہ۔"

"میرا خیال ہے کہ تیس چالیس روپے سے زیادہ نہیں ہوں گے۔"

"باقاعدہ رپورٹ لکھ لی گئی ہے یا نہیں۔" سلطان احمد نے سب انسپکٹر مشیر کی طرف دیکھا۔

"جی نہیں۔ میں ان حضرات سے سوال و جواب میں ایسا الجھا کہ یہ ابتدائی کارروائی بھی نہیں کرسکا۔" مشیر نے جواب دیا۔ "آپ اپنے دوستوں کی باتیں سنئے۔ مجھے تو قطعی شبہ ہونے لگا تھا کہ یہ ہی چور ہیں۔"

"تم ان مسخروں سے واقف نہیں ہو۔" سلطان احمد نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ "یہ تو وہ ذاتِ شریف ہیں کہ موڈ ہو تو اپنے والد محترم کے سامنے بھی شرارت سے باز نہ آئیں۔"

وہ تنویر کی طرف گھوما۔

"آپ اپنی رپورٹ لکھوا دیں اور گھر تشریف لے جائیں۔ اگر چور پکڑا گیا جس کی بظاہر کوئی امید نہیں تو پھر آپ کو زحمت دی جائے گی۔"

"مگر میں کوئی رپورٹ لکھوانا نہیں چاہتی۔" تنویر نے جواب دیا۔

"جی ہاں۔ آپ یہ نہیں کہیں گی تو کیا کہیں گی۔" انجم بولا۔ "ابھی آپ کے بیس ہزار روپے نکل جاتے تو میں پوچھتا کہ کیا حال ہے۔"

"تو میں نے آپ کو تو نہیں روکا۔ آپ ایک نہیں دس رپورٹیں لکھوا دیں۔" تنویر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تو پھر ایس ایچ او صاحب مجھے اجازت ہے۔ میں جاسکتی ہوں۔"

"جی ہاں ضرور۔ اگر آپ رپورٹ نہیں لکھوانا چاہتیں تو ظاہر ہے میں مجبور تو نہیں کرسکتا۔ آپ بڑی خوشی سے جاسکتی ہیں۔" سلطان احمد نے کرسی سے قدرے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"میرا بیگ اگر اتفاق سے مل جائے۔" تنویر نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اور مزید اتفاق سے اس کی تمام چیزیں مع نقدی کے محفوظ ہوں تو وہ رقم میری جانب سے انجم صاحب کو دیدیں۔ خواہ یہ اپنے انعامی بانڈ کے لئے ہی چور کے پیچھے بھاگے اور اس کے ہاتھ سے پٹے

میں تو بہر حال یہ ہی سمجھ رہی تھی کہ میری ہمدردی میں انھوں نے ایسا کیا ہے"
تنویر یہ کہہ کر آفس سے باہر نکل گئی۔ انجم نے اپنی رسٹ واچ
کی طرف دیکھا۔ دس بج کر پانچ منٹ ہوئے تھے۔
"اچھا بھئی اب ہم بھی چلے۔" وہ کرسی سے اٹھنے لگا۔
"چائے وغیرہ نہیں پیو گے؟"
"نہیں اس وقت نہیں۔"
"پھر بھی تمہیں اتنی دیر تو بیٹھنا ہی پڑے گا جتنی دیر میں تنویر
یہاں سے دو تین میل دور نکل جائے۔" سلطان احمد نے ہنستے ہوئے کہا
"میں نے اس کے سامنے کہہ دیا تو اس کے معنی یہ نہیں کہ تم واقعی لڑکیوں
کا پیچھا نہیں کرتے۔"
"میں سب سمجھ رہا ہوں۔" سعید نے جواب دیا۔ "آپ ایک کانسٹبل
کو پہلے ہی چائے کے لئے خاموشی سے اشارہ کر چکے ہیں۔ یوں ہم لوگوں
کو چائے پینے میں ایسا کوئی اعتراض بھی نہیں ہے مگر آپ سے ڈر لگتا ہے۔"
"ڈر؟" سلطان احمد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"جی ہاں۔ دو باتوں کا۔" سعید نے جواب دیا۔ پہلی بات تو یہ کہ
چائے پی کر کہیں یہ نہ معلوم ہو کہ یہ ہماری جوتیوں کا طفیل تھا۔ انجم
بھائی کا بٹوہ کافی دیر میز پر پڑا رہا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ
پولیس والے اپنا احسان کبھی نہیں بھولتے۔ کیا خبر یہ دس بارہ آنے
کی چائے پی کر ہمیں کسی موقع پر دس بارہ روپیے بلکہ اس سے بھی

زیادہ نہ خرچ کرنا پڑیں۔"
"ایک بات بتاؤں۔" سلطان احمد نے دفعتاً بڑی سنجیدگی سے کہا۔
"کیا۔" انجم نے پوچھا۔
"مجھے نہ معلوم کیوں یہ احساس ہو رہا ہے کہ تم لوگوں نے اب
بھی کوئی بات مجھ سے چھپا کر رکھی ہے۔"
"کمال ہے۔" سعید نے حیرت سے کہا۔ "پولیس کی ملازمت نے واقعی
آپ کو خاصا ذہین بنا دیا ہے۔"
"گویا کوئی بات ہے جو تم نے مجھے نہیں بتائی ہے۔" سلطان احمد
نے اشتیاق سے پوچھا۔
"ہاں۔ بالکل ہے۔"
"کیا۔"
"یہ کہ اگر آپ نے ابھی تک شادی نہ کی ہو اور تنویر صاحبہ کو
دیکھ کر کوئی ایسا ویسا ارادہ کر رہے ہوں تو خیال رکھیئے گا کہ یہ جملہ حقوق
انجم بھائی کے نام محفوظ ہیں۔"
اور اس سے پہلے کہ سلطان احمد اس شرارت کا کوئی جواب دے
سکیں۔ انجم اور سعید آفس سے باہر جا چکے تھے۔
"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تقدیر نے محض مذاق کیا تھا۔" انجم نے قدرے
افسردگی سے کہا۔ "بیس ہزار کا انعام حاصل کرنا قسمت میں نہیں تھا۔"
"اتنا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" سعید نے جواب دیا۔ "شاید

وہ پاک پروردگار اپنی رحمت سے کوئی اور سبیل پیدا کر دے۔"

"اب اور کیا سبیل پیدا ہو سکتی ہے۔ کیا پتہ چور کون تھا کون نہیں تھا۔ سلطان صاحب اس کی تلاش سے اتنے مایوس ہیں تو اور کون اس کا پتہ چلا سکتا ہے۔"

"ایک صورت اب بھی ممکن ہو سکتی ہے۔"

"وہ کیا۔"

"بھاگنے سے پہلے میں نے چور کی صورت دیکھ لی تھی۔"

"تو پھر۔"

"اور میرا خیال ہے کہ میں اسے پہچانتا ہوں۔" سعید نے جواب دیا۔ "اس کا نام کرامت ہے اور وہ گولڈن کلب کا ایک ویٹر ہے۔"

"کیا۔" انجم چونک کر سعید کی طرف دیکھنے لگا۔ "تمہیں یقین ہے۔"

"سو فیصدی نہیں تو نوے فیصدی ضرور ہے۔" سعید نے جواب دیا۔ "ابھی گولڈن کلب چلتے ہیں۔ معلوم ہو جائے گا۔"

پولیس اسٹیشن کے باہر انہیں بڑی آسانی سے ٹیکسی مل گئی جس نے پندرہ منٹ میں انہیں گولڈن کلب کے گیٹ پر اتار دیا۔ گولڈن کلب شہر کا سب سے شاندار اور ساتھ ہی بدنام کلب تھا۔ بدنام ان معنوں میں کہ مغربی تہذیب کا کوئی لغت ایسی نہ تھی جو یہاں دیکھنے کو نہ مل جاتی ہو۔ جوا، شراب اور نیم عریاں رقص کے پروگرام یہاں عام تھے۔ اور اسی لئے جہاں بہکے ہوئے دولتمند

اپنی دولت پانی کی طرح لٹانے کے لئے یہاں کا رخ کیا کرتے تھے۔ وہیں جرائم پیشہ افراد بھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے خاصی تعداد میں گرد و پیش منڈلاتے رہتے تھے۔ اسمگلنگ وغیرہ کے سلسلے میں کبھی کبھی کوئی پتہ کی بات کانوں میں پڑ جاتی تھی۔ اس لئے انجم اور سعید بھی گاہے گاہے یہاں آتے رہتے تھے۔

انجم اور سعید اندر پہنچے تو گولڈن کلب کا وسیع و عریض ہال حسب معمول تہذیب جدید کے متوالوں سے بھرا ہوا تھا۔ رقص وغیرہ کے پروگرام عموماً گیارہ بجے شروع ہوا کرتے تھے اس لئے ہال کے ایک گوشے میں بنا ہوا شاندار اسٹیج اس وقت سنسان تھا۔ صرف کلب کا آرکسٹرا ہلکے سروں میں کوئی دھن بجا رہا تھا۔

سعید نے ایک نظر ہال میں چاروں طرف دیکھ کر کرامت ویٹر کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر اس ہجوم میں اس کا نظر آجانا بڑا مشکل تھا۔ دور سے سارے ہی سفید وردی پہنے ہوئے ویٹر ایک جیسے دکھائی دے رہے تھے۔ سعید انجم کو ساتھ لئے بار کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا جہاں کئی بارمین مختلف مشروبات پیش کرنے میں مصروف تھے۔ بارمین لطیف انہیں پہچانتا تھا اور لطیف ہی کے ذریعہ انہیں کبھی کبھی اہم خبریں مل جاتی تھیں جس کا معاوضہ وہ بڑی فراخدلی سے دیا کرتے تھے۔

"آج کئی دن بعد تشریف لائے ہیں۔" لطیف انہیں دیکھ کر مسکرایا۔

"کوئی نئی تازہ خبر۔" انجم نے پوچھا۔

"فی الحال تو کوئی خاص خبر نہیں ہے۔" لطیف نے جواب دیا۔ "یہاں کچھ پیش کروں یا کیبن میں بیٹھ کر پینا پسند کریں گے۔"

"بھائی تم پینے کا لفظ اس طرح مت استعمال کیا کرو۔" سعید بولا سننے والوں کو خواہ مخواہ غلط فہمی ہو سکتی ہے اور میری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی ہے۔"

"ایک بات تو بتاؤ۔" انجم نے کاؤنٹر پر آگے کی جانب جھکتے ہوئے پوچھا۔ "ویٹر کرامت آج ڈیوٹی پر آیا ہے یا نہیں۔"

"جی ہاں آیا تو ہے۔ کوئی خاص بات۔" لطیف نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"کس وقت آیا تھا۔" سعید نے پوچھا۔

"آج وہ کچھ لیٹ تھا چھ بجے کے بجائے ساڑھے آٹھ بجے کے بھی بعد آیا تھا۔"

"اس کی ڈیوٹی کس میز پر ہے۔"

"آج وہ کیبن نمبر آٹھ میں سرو کر رہا ہے۔" لطیف نے جواب دیا۔ "مگر آپ نے بتایا نہیں بات کیا ہے۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہمیں اس سے ایک بیگ کے سلسلہ میں بات کرنا ہے جو اسے کہیں سڑک پر پڑا ہوا ملا تھا۔"

"اوہ۔ شاید آج پھر اس نے کہیں ہاتھ مارا ہے۔" لطیف چونک کر بولا۔ "کوئی پولیس وغیرہ کا معاملہ ہو انجم صاحب تو مجھے ضرور بتا دینا۔ آج میرے بھی کئی دوست یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اچانک چھاپے میں دھر لئے جائیں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" انجم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ ہمارا پرائیویٹ معاملہ ہے۔"

سعید انجم کا بازو پکڑے کیبنوں کی طرف چلا۔

"آپ کا ملک شیک تیار کر لوں۔" لطیف نے آواز دیکر پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" سعید نے پلٹ کر جواب دیا۔ "پہلے کہیں بیٹھنے کی جگہ ملے تب بتائیں گے۔"

ابھی دو چار قدم ہی چلے تھے کہ سامنے سے ایک صاحب جھومتے جھامتے آتے ہوئے ملے۔ انجم اور سعید نے چاہا کہ ایک طرف ہو کر ٹکرانے سے بچ جائیں مگر وہ جیسے ٹکرانے کا ارادہ ہی کر کے آئے تھے چنانچہ ٹکرا گئے۔

"کیوں جناب۔" وہ سعید کی ناک کے سامنے انگلی نچاتے ہوئے بولے "آج اتنی پی گئے ہو کہ سامنے کا آدمی نظر نہیں آتا۔"

"آپ آدمی ہیں۔ معاف کیجئے گا۔ میں سمجھا تھا کہ کلب کا کوئی بکھما جھومتا ہوا چلا آ رہا ہے۔" سعید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"واللہ۔ پھر تو ملایئے ہاتھ۔ یہ ہی غلطی ابھی مجھ سے تین مرتبہ ہو چکی ہے۔" وہ بولے۔ "اور ہر مرتبہ بال بال بچا ہوں۔ کمبخت قریب سے لہراتا ہوا نکل گیا۔ ویسے آپ بتا سکتے ہیں کہ کیبن نمبر سات کہاں چلا گیا ہے۔ عجیب تماشا ہے۔ کیبن میں ڈارلنگ رضیہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ شاشیدن

کے لئے اٹھا تو کہیں باتھ روم نہیں مل رہا تھا۔ شاشیدن تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ بڑا مشہور مصدر ہے۔ پھر بڑی مشکل سے اس کا پتہ چلا اور اب باہر نکلا ہوں تو کیبن غائب ہے۔ مجھے اور تو کچھ فکر نہیں۔ بس یہ پریشانی ہے کہ کہیں ڈارلنگ رضیہ وہاں بیٹھے بیٹھے بور ہی نہ ہو جائے۔"

سعید نے انجم کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ کرامت کیبن نمبر آٹھ میں ڈیوٹی دے رہا تھا۔ اس وقت رش کے موقع پر زیادہ امید یہ ہی تھی کہ کیبن نمبر آٹھ بھی خالی نہیں ہوگا۔ اس کے خالی ہونے تک اگر نمبر سات میں کچھ وقت گزار لیا جائے تو یہ اس سے بہتر تھا کہ ادھر ادھر گھوم کر پریشان ہوں۔ انجم نے سعید کی نگاہ سے اس کا مطلب سمجھ لیا اور اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"آیئے ہم آپ کو کیبن نمبر سات میں پہنچا دیں۔" سعید نے ان صاحب کا بازو پکڑ کر آگے چلتے ہوئے کہا۔ "مگر ابھی تک آپ نے اپنا تعارف تو کرایا ہی نہیں۔"

"ارے آپ مجھے نہیں جانتے۔ میں ہوں۔ یعنی کہ میں۔۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ۔۔ میں ہوں میں۔"

"مگر اس میں میں کا نام بھی ہے کچھ یا نہیں۔"

"نام۔" انھوں نے ایک ہچکی لیتے ہوئے دہرایا۔ "نام ہے کیوں نہیں۔ میں میں کا نام بکری ہوتا ہے۔"

"تو آپ بکری ہیں۔"

"نہیں بکری تو کیبن نمبر سات میں جگالی کر رہی ہوگی میں تو بکرا ہوں۔"

"مگر بکرے کے سر پر تو سینگ ہوتے ہیں۔" سعید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے تو میرے سر پر نہیں کیا۔" انھوں نے گھبرا کر اپنے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں گدھا ہوں۔ مگر نہیں۔ تھے ضرور۔ میں نے خود دیکھے تھے۔ کہیں باتھ روم میں تو نہیں بھول آیا۔"

وہ چلتے چلتے رک گیا۔

"اب دیکھیے اسی لئے میں کہتا ہوں کہ بزرگوں کے حکم پر کبھی عمل نہیں کرنا چاہیے۔ ڈیڈی ہمیشہ یہ ہی کہتے ہیں کہ سینگ اتار کر باتھ روم جایا کرو۔ نتیجہ یہ کہ بھول آیا وہیں۔ ذرا آیئے تو۔ چل کر لے آئیں۔ ورنہ کوئی اور پہن کر چل دے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ جب آپ نے کلب میں داخل ہوتے وقت اپنا ہیٹ وہاں لڑکی کے پاس رکھوایا ہوگا تو سینگ بھی ہیٹ کے ساتھ ہی چلے گئے ہوں گے۔" سعید نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہو سکتا ہے۔" انھوں نے تائید میں سر ہلایا۔

کیبن نمبر سات میں داخل ہونے سے پہلے سعید نے ایک لمحہ کے لئے رک کر نمبر آٹھ میں دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر پردہ پوری طرح کھنچا ہوا تھا۔ بغیر جھانکے دیکھنا ممکن نہیں تھا لیکن یہ ظاہر تھا کہ اندر کوئی نہ کوئی ضرور بیٹھا ہے۔ باتیں کرنے کی بہت ہی ہلکی سی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"یہ لیجیے یہ ہے آپ کا نمبر سات۔" سعید نے برابر کے کیبن کی طرف اشارہ کیا۔ "اب آپ جا سکتے ہیں یا ہم اندر تک چھوڑ دیں۔"

"آپ ساتھ چلیں تو بہتر ہے۔ ورنہ اس طرح دروازے تک تو میں خود بھی کئی مرتبہ آچکا ہوں۔ مگر جب پردہ اٹھا کر جھانکا تو سوری کہہ کر چھوڑ دینا پڑا۔ کوئی صاحب مستقل اپنی محبوبہ سے چپقلیں کھا رہے تھے۔"

سعید نے پردہ اٹھایا تو ایک لمحہ کے لئے حیران رہ گیا۔ اس کے سامنے وہ لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جس کی کار میں بیٹھ کر وہ لوگ صدر آئے تھے۔

وہ لڑکی بھی انہیں پہچان گئی۔

"ارے آپ لوگ۔" وہ تعجب سے بولی۔

"جی ہاں ہم لوگ۔" انجم نے ایک گہری سانس لی۔

"وہ دوا مل گئی۔"

"جی نہیں۔" سعید نے نفی میں سر ہلایا۔ "بھائی صاحب کی بیگم کا انتقال ہوگیا۔ اب یہ ملک شیک پی کر اپنا غم غلط کرنے آئے ہیں۔"

"اوہ۔ مجھے بڑا افسوس ہوا سنکر۔"

"بھائی صاحب کو بھی بہت افسوس ہے۔ بیوی کے انتقال سے زیادہ دوا نہ ملنے کا غم انہیں کھائے جا رہا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"یہ کہتے ہیں بیوی کا کیا ہے۔ وہ تو اور بھی مل جائے گی۔ مگر دوا نہیں ملی تو میری اپنی زندگی خطرے میں ہے۔" سعید نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"دراصل انہیں بھی وہ ہی بیماری ہے جس میں ان کی اہلیہ مرحومہ نے انتقال فرمایا ہے۔"

"اوہ۔" لڑکی نے کہا پھر اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر بولی۔ "یہ محمود صاحب آپ کو کہاں مل گئے۔"

"ہم لوگ آرہے تھے کہ ان سے ٹکر ہوگئی۔" سعید نے جواب دیا۔ "یہ کیبن نمبر سات کی تلاش میں پریشان تھے۔"

"بالکل غلط۔" محمود صاحب نے میز پر گھونسا مارتے ہوئے کہا۔ "میرا ملنا اتنا آسان نہیں ہے۔ وہ تو مجھے آپ حضرات کو بھٹکتے دیکھ کر رحم آگیا۔ میں نے کہا چلو اب انہیں مل ہی جاؤ۔ یہ بھی کیا یاد کریں گے۔ ورنہ رضیہ سامنے بیٹھی ہیں پوچھ لیجئے۔ یہ بھی برسوں سے میری تلاش میں ہیں مگر بڑا چالاک ہوں آج تک ان کے ہاتھ نہیں آیا۔"

"سچ کہا آپ نے۔" رضیہ کچھ اداس ہوگئی۔ "اچھا اب گھر چل رہے ہیں یا نہیں۔"

"گھر" محمود صاحب چونکے۔ "گھر جائیں ہمارے دشمن۔ یا پھر وہ جن کا کسی کلب میں ٹھکانا نہ ہو۔"

انھوں نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی پر ہاتھ مارا۔ جواب میں فوراً ہی ایک ویٹر نمودار ہوا۔

"ویٹر۔" محمود صاحب نے آرڈر دیا۔ "ایک ایک پیگ ہمارے دوستوں کیلئے اور صرف ایک بوتل ہمارے لئے ہم زیادہ نہیں پیتے۔ مگر ذرا جلدی۔"

ویٹر سر ہلاتا ہوا واپس چلا گیا۔

"آج آپ بہت پی چکے ہیں محمود صاحب اب بس کیجئے۔" رضیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"بہت۔" محمود صاحب نے ایک ہچکی لیتے ہوئے بڑی حیرت سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آج میں صرف آرڈر ہی دیتا رہا ہوں۔"

"محمود صاحب آپ کے شوہر ہیں۔" انجم نے رضیہ سے پوچھا۔

"جی ہاں۔ مگر خدا کے لئے کوئی ہمدردی ظاہر نہ کیجئے گا۔" رضیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ محمود کا بازو پکڑا۔ "آیئے چلیں۔"

"کہاں۔" محمود صاحب نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کسی دوسرے کلب میں۔"

"بالکل ٹھیک۔ یہاں کے ویٹر بڑے واہیات ہیں۔ آرڈر گاہک دیتا ہے اور پینے وہ خود بیٹھ جاتے ہیں۔ پلٹ کر ہی نہیں آتے۔"

وہ دونوں کیبن سے باہر نکل گئے۔ انجم نے سعید کی طرف دیکھا۔ "حساس لڑکی معلوم ہوتی ہے۔" انجم نے کیبن کے ہلتے ہوئے پردے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پتہ نہیں اللہ میاں ایسی بے جوڑ شادیاں کیوں کراتے رہتے ہیں۔"

"کیا خیال ہے یہ پردہ ایک طرف ہٹا دوں۔" سعید اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "ایسا یہ نہ ہو کہ ہم یہاں بیٹھے رہ جائیں اور کیبن نمبر آٹھ خالی ہو کر بھر جائے۔"

مگر اپنے کیبن کا پردہ ایک طرف کرتے ہوئے سعید نے باہر جھانک کر دیکھا تو چونک سا گیا۔ کیبن نمبر آٹھ کا پردہ کھلا ہوا تھا اور اس کا ویٹر کرامت اور گاہک دونوں غائب تھے۔ ▶

"کہیں چڑیا اڑ تو نہیں گئی۔" انجم نے کیبن نمبر آٹھ میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ایسا ہونا تو نہیں چاہیئے۔" سعید نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "ممکن ہے گاہک رخصت ہو گیا ہو اور کرامت کاؤنٹر پر حساب کتاب کر رہا ہو۔"

وہ دونوں کیبن نمبر آٹھ خالی دیکھتے ہی اٹھ کر وہاں آ بیٹھے تھے مگر ویٹر کرامت کے لئے انہیں پورے دس منٹ انتظار کرنا پڑے۔

"فرمایئے کیا پیش کروں۔" کرامت نے ٹیبل پر کپڑا پھیرتے ہوئے پوچھا

"آج ہم یہاں کچھ کھانے پینے نہیں آئے۔" سعید نے جواب دیا۔

کرامت نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ سننے کے لئے آئے ہیں۔" انجم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا۔" کرامت بڑے غور سے دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری باتیں۔" سعید نے جواب دیا۔ اور جیب سے دس روپیہ کا نوٹ نکال کر میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ "مفت نہیں معاوضہ دے کر۔"

"کیسی باتیں۔" کرامت نے نوٹ اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

"بیٹھ جاؤ۔" انجم نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ کرامت بیٹھ گیا۔

"تم نے آج صدر میں کسی خاتون کا پرس اور ایک بنڈل اڑایا تھا۔"

کرامت نے ایک گہری سانس لی۔

"گھبراؤ نہیں۔" سعید نے جلدی سے کہا۔ "ہمارا تعلق پولیس سے نہیں ہے۔"

"میں گھبرا نہیں رہا ہوں۔" کرامت نے جواب دیا۔ "افسوس کر رہا ہوں ہاتھ بیروں میں پہلی جیسی پھرتی نہیں رہی۔ اگر اتنے لوگ مجھے دیکھ کر پہچان سکتے ہیں تو اس کا صرف ایک ہی مطلب ہے۔ مجھے آئندہ کے لئے کان پکڑ لینا چاہیئے۔"

"کسی اور نے بھی دیکھ لیا تھا۔" انجم نے حیرت سے پوچھا۔

"دیکھنے والے تو کئی ہوں گے۔ یوں کہیئے کہ کسی اور نے بھی پہچان لیا تھا۔"

"کس نے۔"

"دکان کے مالک شمشاد علی صاحب نے۔"

"کیا۔" انجم اور سعدیہ ایک وقت بول اٹھے۔

"جی ہاں۔ وہ ابھی ابھی یہاں سے گئے ہیں۔" کرامت نے بتایا۔ "وہ لڑکی بلا کی حسین تھی۔ شمشاد صاحب اس کے جانے کے بعد بھی دکان کی کھڑکی سے اسے گھور رہے تھے۔ کم سے کم ان کا کہنا تو یہ ہی تھا چنانچہ انھوں نے مجھے گلی سے نکلتے دیکھ لیا۔ میں بہت دیر سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا جب وہ آپ لوگوں سے رخصت ہو کر دکان میں داخل ہوئی تو میں دکان کے برابر گلی میں کھڑا ہوا اس کے نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔"

"شمشاد صاحب تمہارے پاس کیوں آئے تھے۔" انجم نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"لڑکی کا بیگ لینے کے لئے۔" کرامت نے جواب دیا۔ "کہہ رہے تھے کہ میں وہ بیگ واپس کرنے کے بہانے لڑکی سے ملاقات کا موقع نکالنا چاہتا ہوں۔ بیگ میں تیس روپے کچھ آنے کی رقم تھی وہ نکال چکا تھا اور افسوس کر رہا تھا کہ کبھی کبھی اندازہ لگانے میں کتنی غلطی ہو جاتی ہے۔ میرا خیال تھا کہ دو تین سو کی رقم تو ہاتھ لگ ہی جائے گی۔ مگر وہ اوپر والا بڑا کارساز ہے۔ کچھ نہ کچھ نقصان تو پورا ہو ہی گیا میں نے وہ بیگ پچاس روپیہ میں شمشاد صاحب کو دے دیا ہے۔"

پھر تو غضب ہو گیا۔" سعید اٹھتے ہوئے بولا۔

"کیوں۔ کیا آپ بھی اس بیگ کے بہانے لڑکی سے ملنا چاہتے تھے۔"

"کچھ ایسی ہی بات تھی۔" انجم نے جواب دیا۔ "تمہیں معلوم ہے شمشاد صاحب کہاں رہتے ہیں۔"

"جی نہیں۔ میری ان سے پہلے کی واقفیت نہیں تھی مگر وہ شاید یہاں کلب میں دیکھ چکے تھے۔ اپنا تعارف انھوں نے خود ہی کرایا تھا۔"

"تم ابھی شمشاد صاحب کو بیگ دینے ہی گئے تھے۔" سعید نے پوچھا۔

"جی ہاں کلب آتے ہوئے میں نے اسے باہر باغ میں ایک درخت کے پیچھے چھپا دیا تھا۔"

"بیگ لے کر پیدل گئے ہیں یا ٹیکسی میں۔" انجم نے سوال کیا۔

"میرے سامنے تو پیدل ہی جا رہے تھے۔ آگے جا کر ٹیکسی لے لی ہو تو میں کہہ نہیں سکتا۔"

"آؤ اب یہاں وقت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔" انجم نے سعید کا ہاتھ پکڑ کر قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بس اتنی ہی باتیں سننا تھیں۔" کرامت نے پوچھا۔

"ہاں۔ آج کے لئے اتنی ہی کافی ہیں۔" سعید نے پلٹ کر جواب دیا۔

"آپ کہیں تو کل میں کسی اور حسین لڑکی کا بیگ لے آؤں۔"

"تمہاری خوشی۔" انجم بولا۔ "مگر کل شرح تبادلہ کچھ اور ہو گی۔"

"کیا۔"

"کم سے کم تین سال کی قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ۔" انجم نے جواب دیا اور باہر نکل گیا۔

دونوں تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے کلب سے باہر آئے۔ صاف ظاہر تھا کہ شمشاد نے پولیس اسٹیشن میں ان کی گفتگو سن لی تھی اور اس سے فائدہ اٹھانے میں قطعی دیر نہیں کی۔

"اب اسے کہاں تلاش کیا جائے۔" انجم نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ ہم سے کم سے کم پندرہ منٹ پہلے یہاں سے نکل چکا ہے۔"

"کیا بجا ہے۔" سعید نے پوچھا۔

"گیارہ بجکر ایک دو منٹ اوپر ہوئے ہیں۔" انجم نے جواب دیا۔ "اس وقت قاعدے میں تو اسے گھر ہی جانا چاہیئے۔ اگر کسی طرح

گھر کا پتہ چل جائے تو اب بھی بانڈ مل سکتا ہے۔"

"سوال تو یہ ہی ہے کہ گھر کا پتہ کیسے چلے۔"

"ایک ترکیب اور بھی ہو سکتی ہے۔" سعید نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا۔"

"ظاہر ہے کہ وہ انعام لینے کے لئے اسٹیٹ بینک ہی جائے گا۔ ہم بینک کے دروازے پر اسے پکڑ لیں۔"

"مگر بانڈ پر اپنی ملکیت کیسے ثابت کریں گے۔" انجم نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ تمہیں پتہ ہے کہ کچھ لوگ اپنی آمدنی کو انکم ٹیکس سے بچانے کے لئے انعام پانے والوں سے بانڈ کچھ زیادہ ہی قیمت پر خرید لیتے ہیں شمشاد بینک جانے کا خطرہ مول لئے بغیر کسی کے ہاتھ اسے فروخت بھی کر سکتا ہے اور مزید منافع کے ساتھ۔"

"تو پھر اب کیا کیا جائے۔"

"بیس ہزار روپیہ پر فاتحہ پڑھ کر اپنے اپنے گھروں کو واپس ہونے کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔" انجم نے افسردگی سے کہا اور ایک گذرتی ہوئی ٹیکسی کو اشارہ کیا۔

"حسرت کالونی۔" اس نے دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔

"یہ کون سی کالونی ہے صاحب۔" ڈرائیور میٹر ڈاؤن کرتے ہوئے بولا۔

"تمہیں نہیں معلوم۔"

"جی نہیں۔"

"شاید زندگی میں کسی حسرت ناکام سے واسطہ نہیں پڑا۔" انجم نے کہا

"اچھا تو پھر غمگین آباد لے چلو۔"

"معلوم ہوتا ہے صاحب آج کلب میں کچھ زیادہ ہی ہار گئے ہیں۔"

ڈرائیور بڑا سخن فہم ثابت ہوا۔

"ہاں دوست بیس ہزار ایک ہی داؤں میں نکل گئے۔" سعید نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے جواب دیا۔

"بیس ہزار۔" ڈرائیور نے جلدی سے گھوم کر دیکھا۔

"ہم لوگ نشے میں نہیں ہیں۔" انجم نے یقین دلایا۔

"پھر بیس ہزار کیسے ہار گئے آپ۔" ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہم بھی اتنی دیر سے یہ ہی سوچ رہے ہیں۔" سعید نے جواب دیا۔ "اسی سڑک پر سیدھے چلے چلو۔ ممکن ہے ٹھنڈی ہوا کھا کے کوئی بات سمجھ میں آجائے۔"

"تم صدر اتر کر بس سے چلے جاؤ گے یا گھر تک پہنچانا پڑے گا۔" انجم سعید سے مخاطب ہوا۔

"تین گھنٹے سے تمہارے لئے ادھر ادھر دھکے کھاتا پھر رہا ہوں۔ اب مزید بس کے دھکے کھانے کی ہمت نہیں ہے۔" سعید نے جواب دیا۔

"تو پھر کہاں چلوں صاحب۔" ڈرائیور نے پوچھا۔

"پہلے سمن آباد اور پھر وہاں سے ..." سعید کہتے کہتے رک گیا۔

سڑک پر اچھا خاصا ہجوم نظر آرہا تھا۔ ایک جانب ایک نئی شیورلٹ کار بھی کھڑی تھی۔

"یہ کار تو رضیہ کی معلوم ہوتی ہے۔" انجم نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے حیرت سے کہا۔ "ڈرائیور ذرا روکنا۔"

"ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے صاحب۔" ڈرائیور نے ٹیکسی سائڈ میں روکتے ہوئے بتایا۔ "میرے سامنے کی بات ہے۔ میں صدر سے ایک سواری لئے آرہا تھا۔ کلب کی طرف سے ایک دبلا پتلا سا آدمی ہاتھ میں بیگ ہلاتا چلا آرہا تھا۔ اچانک یہ شیورلٹ کار لہراتی ہوئی آئی۔ اور اس آدمی کو ٹکر مارتی ہوئی نکل گئی۔ کوئی بڑا دولتمند آدمی شراب کے نشہ میں کار چلا رہا تھا۔ اس غریب کی ایک ٹانگ بری طرح کار کے نیچے آکر کچلی گئی۔"

"بھیا۔" سعید نے جوش میں بھرتے ہوئے کہا۔ "تقدیر ایک بار پھر مہربان نظر آرہی ہے۔ اگر میں بالکل ہی گدھا نہیں ہوں تو ان بکرے صاحب نے شمشاد کے سینگ مار دیا ہے۔"

انجم اور سعید ٹیکسی سے اتر کر لپکتے ہوئے مجمع کے قریب پہنچے۔ ڈرائیور کا بیان بالکل سچ تھا۔ ایک کانسٹبل نے جو کار کی نگرانی کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا ایکسیڈنٹ کی تصدیق کی اور بتایا کہ ابھی دس منٹ ہوئے ایمبولنس زخمی کو لے کر سول ہسپتال گئی ہے۔ سوائے ایک ٹانگ کے اور

باقی جسم پر کچھ زیادہ چوٹیں نہیں آئیں۔ مگر چونکہ وہ بے ہوش ہو گیا تھا اس لئے نام و پتہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

"اس کے ہاتھ میں کوئی بیگ بھی تھا۔" انجم نے بے تابی سے پوچھا۔

"جی ہاں تھا تو سہی۔" کانسٹبل نے جواب دیا۔ "وہ اس کے ساتھ ہی ہسپتال بھیج دیا گیا ہے۔ کیا وہ آپ کا کوئی عزیز ہے۔"

"ہاں۔ کم سے کم اس کا بیگ تو بہت ہی عزیز ہے۔" انجم نے اپنی ٹیکسی کی طرف لپکتے ہوئے جواب دیا۔

دونوں جلدی سے ٹیکسی میں بیٹھے۔

"سول ہسپتال۔" انجم نے ڈرائیور کو ہدایت کی۔ "اور ذرا جلدی۔"

"بس اتنا خیال رکھنا کہ ہم صحیح و سالم وہاں پہنچ جائیں۔ باقی تمہیں پورا اختیار حاصل ہے۔" سعید نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے کوئی ایکسیڈنٹ کا کیس آیا ہے۔" انجم نے ڈیوٹی نرس سے پوچھا۔

"ہاں آیا تو ہے۔" نرس نے جواب دیا۔ "آپ ان کے کون ہیں۔"

"بھتیجے۔" سعید نے کھٹ سے جواب دیا۔ "چچا جان کو کس وارڈ میں رکھا گیا ہے۔"

"ایسے کیسوں کے لئے وارڈ تو ایک ہی ہے۔ یہ پوچھئے کہ بیڈ نمبر کیا ہے۔"

نرس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ جی ہاں وہ ہی میرا مطلب تھا۔"

"کیزیولٹی وارڈ بیڈ نمبر تیرہ۔" نرس نے ایک چارٹ دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"شکریہ۔" انجم نے جواب دیا اور سعید کا بازو پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔

"ارے یہ تو پوچھ لیا ہوتا کہ یہ کیزیولٹی وارڈ ہے کس طرف۔" سعید نے کہا۔ "یا تمہیں معلوم ہے۔"

"کیوں تم نہیں جانتے کیا۔" انجم نے پوچھا۔

"بالکل نہیں۔ آج پہلی مرتبہ ہسپتال آنے کا اتفاق ہوا ہے۔"

"اچھا۔" انجم نے کچھ حیرت ظاہر کی۔ "میرا خیال تھا کہ اب تک عشق بازی کے چکر میں اتنی مرتبہ پٹ چکے ہو کہ ہسپتال کا بچہ بچہ تمہیں جانتا ہوگا اور تم یہاں کا گوشہ گوشہ پہچانتے ہو گے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ ہسپتال کے لئے بچہ بچہ کا محاورہ بالکل غلط ہے۔ اس کے بجائے نرس نرس کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔"

"اوہ۔ تو وہ نرس تمہیں دیکھ کر اسی لئے مسکرائی تھی۔" انجم نے بات کاٹی۔

"اور دوسری بات یہ کہ۔" سعید نے اسی طرح بولتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کی طرح محبت میں مار کھانے کے بعد ڈھنڈورا پیٹنے ہسپتال نہیں بھاگا کرتا۔"

"گھر پر ہی علاج کرا لیتے ہو۔" انجم نے کہا۔ "یا پھر اتنی سنگدل محبوبہ سے

واسطہ پڑا ہے جو مارنے کے بعد گھر بھی نہیں پہنچاتی۔"

"شکر ہے خدا کا۔" سعید نے چلتے چلتے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھا دیئے۔ "بانڈ ملنے کی امید کا اتنا اثر تو ہوا کہ تم دوبارہ چہکنے لگے۔"

سامنے سے دو نرسیں باتیں کرتی چلی آ رہی تھیں۔

"سسٹر۔" انجم نے ان میں سے ایک کو مخاطب کیا۔ "یہ کیزیولٹی وارڈ کس طرف ہے۔"

"آپ کو وہاں کیا کام ہے۔" نرس نے سر سے پیر تک انجم کو غور سے دیکھا

"ایک مریض سے ملنا ہے۔" سعید نے بتایا۔

"مگر یہ تو ملاقات کا ٹائم نہیں ہے۔" نرس نے اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "دس بجے کے بعد آپ کسی پیشنٹ سے نہیں مل سکتے۔"

"مگر وہ میرے چچا جان ہیں۔ ان کا ابھی ابھی کار سے ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔" انجم نے کہا۔

"کچھ بھی ہوا ہو۔ آپ کل صبح آئیں۔" نرس نے سرد مہری سے جواب دیا اور آگے بڑھ گئی۔

"لو بھائی یہ نئی پریشانی پیدا ہوئی۔ یعنی اب ہم اپنے چچا جان سے بھی نہیں مل سکتے۔" سعید نرسوں کے جانے کے بعد بولا۔

"کوئی نئی ترکیب سوچنا پڑے گی۔" انجم نے کوریڈور میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ کچھ فاصلے پر ڈاکٹر ممتاز کی نیم پلیٹ نظر آئی۔ وہ اس طرف بڑھ گیا۔ سعید اس کے پیچھے تھا۔

"کیا ڈاکٹر ممتاز سے کچھ واقفیت ہے۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں تو۔ انجم برابر کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔

"پھر ان کے پاس جانے سے فائدہ۔"

"چند منٹ کے لئے اپنی بکواس بند کر لو۔ میں کچھ سوچ رہا ہوں۔"

"خوب۔ گویا کہ آپ سوچ بھی لیتے ہیں۔"

"آ گئی۔" انجم اچانک بولا۔

"کوئی دوسری نرس۔" سعید نے چونک کر کوریڈور میں دیکھا۔

"نہیں ایک ترکیب بشرطیکہ ڈاکٹر صاحب اپنے کمرے میں موجود نہ ہوں۔" انجم نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

بیرونی حصہ واقعی خالی تھا۔ مگر لکڑی کے پارٹیشن کے دوسری جانب جب انجم نے جھانک کر دیکھا تو ڈاکٹر ممتاز معائنہ کے اسٹریچر پر بڑے آرام سے دراز خراٹے لے رہے تھے۔

"چلو یہ بھی اچھا ہوا۔" انجم نے آہستہ سے کہا۔

"آخر تم کرنا کیا چاہتے ہو۔" سعید نے پوچھا۔

"وہ دیکھ رہے ہو کیا چیز ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب کا کوٹ ہے اور کیا ہے۔"

"اور یہ میز پر۔"

"اسٹیتھسکوپ۔ مریض کی محبت کی دھڑکنیں شمار کرنے کا آلہ۔"

"اگر میں یہ سفید کوٹ پہن لوں اور یہ آلہ گلے میں لٹکا لوں تو کیا ہو گا۔"

"ونڈرفل آئیڈیا۔" سعید اچھل پڑا۔

"شش"۔ انجم نے جلدی سے پارٹیشن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا حماقت کر رہے ہو۔"

"ساری۔" سعید کان پکڑتے ہوئے بولا۔ "مگر کوٹ تو ایک ہی ہے۔"

"اس الماری میں دیکھتے ہیں کوئی دوسرا بھی ضرور نکل آئے گا۔" انجم نے جواب دیا۔

الماری کھول کر دیکھی گئی اور تقدیر مہربان تھی کہ دوسرا کوٹ بھی حفاظت سے تہہ کیا ہوا مل گیا۔

"اور آلہ۔" سعید نے کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ "وہ بھی تو ایک ہے۔"

"دو ڈاکٹروں میں ایک آلہ نہیں چل سکتا کیا۔" انجم نے کوٹ کے بٹن لگاتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ ویسے مجھے اس وقت صرف جوتا چلنے کی فکر ہے۔"

"میرا خیال تھا کہ تم اب تک عادی ہو چکے ہوگے۔" انجم نے اسٹیتھسکوپ گلے میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

دونوں آگے پیچھے کمرے سے باہر نکلے۔ کوریڈور بالکل سنسان پڑا ہوا تھا۔

"اب یہ کوٹ پہن کر کریز ولیٹی وارڈ کا پتہ کیسے پوچھیں گے۔" سعید نے کہا۔

"تم چلے آؤ۔ کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔" انجم نے جواب دیا اور داہنی طرف گھوم گیا۔

تقریباً پانچ منٹ تک ایک کوریڈور سے دوسرے کوریڈور میں گھومتے رہنے کے بعد بھی کہیں کریز ولیٹی وارڈ کا بورڈ نظر نہیں آیا ایک کمرے کے سامنے سے گزر رہے تھے کہ اچانک کمرے کے اندر سے کسی مرغ کے بولنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی ایک نرس گھبرائی ہوئی سی باہر نکلی۔

"اوہ۔ ڈاکٹر۔" اس نے آواز دی۔

"یس۔" انجم نے رک کر بڑے اطمینان سے پوچھا۔

"پلیز ڈاکٹر ذرا اس پیشنٹ کو دیکھ لیں۔" نرس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "کبھی کہتا ہے کہ میں چوہا ہوں اور بلی مجھے کھا گئی ہے کبھی کہتا ہے میں گھوڑا ہوں مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ تھوڑی سی گھاس کھانے کے لئے لاؤ۔ طرح طرح کے اوٹ پٹانگ سوالات کا جواب دیتے دیتے میں تنگ آگئی ہوں۔"

"تم نے اسے کوئی خواب آور دوا کیوں نہیں دے دی۔"

"میں نے کوشش کی تھی ڈاکٹر۔" نرس نے بڑی بیچارگی سے بتایا۔ "مگر وہ کہتا ہے کہ پہلے چار گولی تم کھاؤ تب دو گولی میں کھاؤں گا۔"

"اوہ۔ آئی سی۔" انجم نے بڑی سنجیدگی سے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "چلو میں دیکھتا ہوں۔"

نرس انہیں کمرے میں لے گئی۔ یہ ذہنی امراض کے مریضوں کا وارڈ تھا جہاں ایسے مریض رکھے جاتے تھے جن کا پاگل پن خطرناک

نہیں ہوتا تھا۔ انجم نے دیکھا کہ پلنگ پر ایک خاصے عمر رسیدہ بزرگ مرغ بنے کھڑے ہیں اور بانگ پر بانگ دیئے چلے جا رہے ہیں۔

"السلام علیکم۔" اس نے جاتے ہی کہا۔

"ککڑوں کوں۔" جواب ملا۔

"ککڑوں کوں۔ ککڑوں کوں۔" انجم نے جوابی بانگ لگائی۔ اس پر مریض نے اسی کیفیت میں کھڑے کھڑے ذرا سی گردن ٹیڑھی کر کے انجم کی طرف دیکھا اور دیکھتے ہی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"نرس۔" وہ بولا۔ "یہ تم کس ٹیلنٹی مرغے کو پکڑ لائی ہو جسے بانگ دینا بھی نہیں آتا۔"

"ٹیلنٹی مرغ تو آپ معلوم ہوتے ہیں جناب جو سورج نکلنے کے بعد بھی برابر بانگ دیئے جا رہے ہیں۔"

"ارے تو کیا سورج نکل آیا۔"

"بالکل۔ یہ آپ کے سر پر اور کیا چمک رہا ہے۔" انجم نے بجلی کے بلب کی طرف اشارہ کیا۔

"گڈ لارڈ۔ تم نے مجھے بتایا بھی نہیں نرس۔" وہ کچھ سوچنے لگے "مگر میں تو مرغ ہوں بانگ دینے کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہوں۔"

"کیوں نہیں کر سکتے۔" انجم نے جیسے ضد کرتے ہوئے کہا۔ "کیا کسی مرغی نے آپ کو انڈے سینا نہیں سکھایا۔"

"سکھایا تھا۔ مگر میں بھول گیا۔"

"میں سکھا دوں۔"

"آپ کو آتا ہے۔" بہت خوش ہو کر مریض نے پوچھا۔

"انڈے سینے میں سند یافتہ ہوں جناب۔ آکسفورڈ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا ہے۔"

"اچھا پھر تو ضرور سکھایئے۔"

انجم نے نرس کو اشارہ کیا کہ وہ خواب آور دوا کی گولیاں لے آئے۔

"یہ پی ایچ ڈی کیسے کیا جاتا ہے۔" مریض نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

"جیسا علم ہو اسی کے مطابق پی ایچ ڈی کرنے کا بھی طریقہ ہوتا ہے۔" انجم نے جواب دیا۔ "مثال کے طور پر آپ جھوٹ بولنے میں پی ایچ ڈی کرنا چاہتے ہیں۔"

"کیوں صاحب سچ بولنے میں کیوں نہیں۔" مریض نے بات کاٹی۔

"آپ چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ مگر آج کل اس ڈگری کو کوئی نہیں پوچھتا۔"

"کیوں نہیں پوچھتا۔"

"اس لئے کہ کوئی میری یا آپ کی طرح اصل مرغ نہیں ہے سب دو غلے ہیں۔"

"سمجھا۔" مریض نے گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ اتنی دیر میں نرس دو گولیاں اور گلاس میں پانی لے آئی۔

"یہ دیکھئے۔" انجم نے ایک گولی ہاتھ پر رکھی۔ "مثال کے طور پر یہ انڈا ہے۔"

"مرغی کا انڈا اتنا چھوٹا تو نہیں ہوتا۔" مریض نے اعتراض کیا۔

"یہ مرغی کا انڈا نہیں ہے۔" انجم نے بتایا۔ "آج کل کی مرغیوں نے فیملی پلاننگ شروع کر دی ہے۔ یہ ہاتھی کا انڈا ہے۔"

"جب ہی تو اتنا چھوٹا ہے۔"

"اب دیکھئے یہ میں نے اپنے منہ میں رکھا۔ یوں۔" انجم نے گولی اپنی چٹکی میں پکڑ کر منہ میں رکھنے کا بہانا کیا اور پھر ایک گھونٹ پانی سے نگل گیا۔ اے۔ اس طرح۔" اس نے نرس سے گلاس لے کر پانی پی لیا۔

"انڈے اس طرح سہے جاتے ہیں۔" مریض نے حیرت سے کہا۔ "میں نے تو سنا تھا کہ ان پر بیٹھنا پڑتا ہے۔"

"وہ پرانا طریقہ تھا جواب متروک قرار دیا جا چکا ہے۔" انجم نے جواب دیا اور گولی مریض کی طرف بڑھائی۔ "چلئے اب آپ کوشش کریں۔"

"ایک بات پوچھوں۔" مریض نے گولی لیتے ہوئے کہا۔

"ضرور پوچھئے۔"

"آپ مجھے دھوکہ تو نہیں دے رہے ہیں۔" مریض نے کہا۔ "مجھے شبہ سا ہو رہا ہے کہ یہ کہیں خواب آور دوا کی گولیاں نہ ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" انجم نے جواب دیا۔ "بھلا ایک مرغ دوسرے مرغ کو دھوکا دے سکتا ہے۔"

"یہ بات تو ہے۔" مریض نے تائید میں سر ہلایا۔ "بہر حال ایک مرتبہ پھر

سوچ لیں کہیں ایسا نہ ہو کہ انسانوں کی طرح مرغوں پر سے بھی دنیا کا اعتماد اٹھ جائے۔"

مریض نے گولی منہ میں رکھی اور پانی کے گھونٹ سے نگل گیا۔

"ایک انڈا کافی ہوگا۔" اس نے پوچھا۔

"قاعدے کے مطابق کم سے کم دو انڈوں سے شروع کرتے ہیں۔" انجم نے جواب دیا۔

مریض نے دوسری گولی بھی نگل لی اور آرام سے بستر پر لیٹ گیا۔

"شکریہ ڈاکٹر۔" نرس نے آہستہ سے کہا۔ انجم اور سعید باہر کی طرف چلے۔

"مسٹر مرغ۔" مریض نے پکارا۔ "بچے کب تک نکل آئیں گے۔"

"بس دس پندرہ منٹ میں۔" انجم نے پلٹ کر جواب دیا۔ "پہلی کوشش میں کامیابی نہ ہو تو گھبرائیں نہیں روزانہ دو انڈے نگلتے رہیں ایک نہ ایک دن کامیابی ضرور قدم چومے گی۔"

"قدم نہیں مسٹر پنجے۔" مریض نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ "تم بھول گئے کہ ہم دونوں مرغ ہیں ککڑوں کوں۔"

انجم مسکراتا ہوا باہر نکل آیا۔ نرس اسے دروازے سے چھوڑ کر واپس جانے لگی۔

"نرس۔" انجم نے کہا۔

"یس ڈاکٹر۔"

"یہ صاحب ایک میڈیکل کالج کے اسٹوڈنٹ ہیں۔" اس نے سعید

کی طرف اشارہ کیا۔ "کیزیولٹی وارڈ کے مریض دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں راؤنڈ پر جا رہا ہوں۔ ذرا انہیں وارڈ کا راستہ بتا دو۔"

"اوہ۔ ضرور۔" نرس نے غور سے سعید کی طرف دیکھا۔ "دیکھیے اسی کوریڈور میں آگے جا کر بائیں ہاتھ کی طرف گھوم جائیں۔ اس کے بعد بالکل سیدھے چلے جائیں۔ دو تین راستے درمیان میں ملیں گے آپ انہیں چھوڑ دیں۔ بالکل آخر میں جا کر پھر بائیں ہاتھ کو ٹرن ہو جائیں بس وہ ہی کیزیولٹی وارڈ ہے۔"

"شکریہ سسٹر۔" سعید نے مسکراتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گیا انجم دوسری طرف چلنے لگا۔ مگر جیسے ہی نرس کمرے میں گئی وہ بھی لپک کر سعید کے پاس پہنچ چکا تھا۔

"کہو کیسی رہی استاد۔" اس نے پوچھا۔

"ونڈرفل۔ آج واقعی تمہارا دماغ خوب چل رہا ہے۔" سعید ہنستے ہوئے بولا۔

نرس کے بتائے ہوئے پتہ کے مطابق کیزیولٹی وارڈ جلد ہی مل گیا۔ وارڈ میں کئی کمرے تھے اور ہر کمرے کے باہر بستروں کے نمبر جلی لکھے تھے کہ اتنے نمبر سے اتنے نمبر تک کے بیڈ اس کمرے میں ہیں۔ نمبر دیکھ کر انجم ایک کمرے میں گھس گیا۔

اندر سات پلنگ بچھے ہوئے تھے۔ بیڈ نمبر ۱۳ بالکل دروازے کے ساتھ ہی تھا مگر اس پر لیٹے ہوئے مریض کو دیکھتے ہی دونوں چونک پڑے یہ داڑھی والے مولانا ہک ڈپو کے نحیف و نزار مالک شمشاد علی تو نہیں ہو سکتے تھے۔

"یا مظہر العجائب۔ مولانا حاضر اور مسٹر غائب۔" سعید نے حیرت سے کہا۔

"یہ کیا قصہ ہے۔" انجم بڑبڑایا۔

"قصہ نہیں بھائی طلسم ہوشربا ہے۔"

"کہیں کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی۔"

"بالکل ہو گئی۔" سعید نے جواب دیا۔ "آئندہ کے لئے کان پکڑو کہ جس بانڈ پر انعام نکلنے والا ہو اسے کبھی کتابوں میں نہیں رکھو گے۔ اور میں تو کہتا ہوں کہ یہ تمہیں سزا مل رہی ہے۔ اور چھپا چھپا کر رکھو دوستوں سے پرائز بانڈ۔"

"اب کیا کیا جائے۔" انجم نے جیسے سعید کی بات سنی ہی نہیں۔

"بندۂ عاجز سوائے صبر و شکر کے اور کیا کر سکتا ہے۔"

"یہ تو طے ہے کہ شمشاد بھی یہیں کہیں کسی پلنگ پر ہو گا۔"

"تلاش کرو۔" سعید بولا۔ "کوئی بیڈ روم خالی مل جائے تو ہم بھی رات یہیں گذار لیں۔ صبح دیکھا جائے گا۔"

"یس ڈاکٹر۔" پیچھے سے ایک آواز آئی۔

انجم نے گھوم کر دیکھا۔ ایک نرس کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ انجم اور سعید کو دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ظاہر ہوئے۔

"میں ڈاکٹر انجم ہوں۔" انجم نے جلدی سے کہا۔ "میرا تعلق مینٹل وارڈ

سے ہے۔ یہ میرے دوست ڈاکٹر سعید میرے ساتھ کام کرتے ہیں۔"

"اوہ۔" نرس نے کچھ اطمینان ظاہر کیا۔

"ان کے ایک عزیز کچھ دیر پہلے کار کے حادثے میں زخمی ہو گئے تھے۔" انجم نے اپنی بات جاری رکھی۔ "ڈیوٹی نرس سے معلوم ہوا کہ ایکسیڈنٹ کا ایک کیس بیڈ نمبر تیرہ پر لایا گیا ہے۔ مگر یہ ان کے عزیز نہیں ہیں۔"

"پیشنٹ کا نام کیا ہے۔" نرس نے پوچھا۔

"شمشاد علی۔" سعید نے جواب دیا۔

"اوہ۔ یس۔ وہ بیڈ نمبر ستائیس پر ہیں۔" نرس نے بتایا۔

"آیئے تشریف لایئے۔"

"مگر نرس۔" انجم نے نرس کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔ "ڈیوٹی نرس نے ہمیں غلط اطلاع کیوں دی۔"

"اس نے غلط نہیں کہا تھا ڈاکٹر۔" نرس نے جواب دیا۔ "گذشتہ آدھ گھنٹے کے اندر ایکسیڈنٹ کے تین کیس آ چکے ہیں۔ آپ نے اسے پیشنٹ کا نام بتایا تھا۔"

"نام تو نہیں بتایا تھا۔" سعید بولا۔ "چچا میاں کہا تھا۔ شمشاد صاحب میرے چھوٹے چچا ہیں۔"

نرس ہنسنے لگی۔

"چچا میاں سنکر وہ بیڈ نمبر تیرہ کے مریض کو سمجھی ہو گی۔" نرس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

اب وہ جس کمرے میں داخل ہوئے اس میں صرف پانچ بیڈ تھے جن میں سے تین خالی تھے۔ بیڈ نمبر ستائیس پر شمشاد لیٹا ہوا کراہ رہا تھا۔ اس کی صرف ایک ٹانگ پر بینڈیج کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ دو تین جگہ پلاسٹر کے ساتھ روئی لگی تھی۔ وہ اس وقت ہوش میں تھا۔ انجم اور سعید کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"یہ ہی ہیں۔" نرس نے پوچھا۔

"بالکل یہ ہی ہیں۔" سعید نے جواب دیا۔ "شکریہ سسٹر۔"

"میری ضرورت تو نہیں ہو گی۔" نرس نے پوچھا۔

"نہیں۔ شکریہ نرس۔ تم جا سکتی ہو۔" انجم نے جواب دیا۔ نرس چلی گئی۔

انجم اور سعید بیڈ نمبر ستائیس کی طرف بڑھے۔

"تم نے دیکھ لیا مسٹر کہ بے ایمانی کا نتیجہ اس دنیا میں بھی مل جاتا ہے اور وہ بھی کتنی جلدی۔" انجم نے کہا۔

"م۔۔۔ میں معافی چاہتا ہوں انجم صاحب۔" شمشاد نے خوف سے کانپتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"وہ بیگ کہاں ہے۔" سعید نے پوچھا۔

جواب میں کانپتے ہوئے ہاتھوں سے شمشاد نے اپنے تکیہ کے نیچے سے بیگ نکال کر انجم کے ہاتھوں میں دے دیا۔

انجم نے جلدی سے اسے کھولا۔

"کتاب اس کے اندر ہی ہے۔" شمشاد بولا۔

آور بانڈ۔"

"وہ بھی اسی میں ہوگا۔ مجھے دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔" شمشاد نے جواب دیا۔ "میرا ارادہ گھر جا کر بیگ کھولنے کا تھا۔"

"یہاں آ کر بھی نہیں کھولا۔"

"نہیں۔ میں خود اپنے دل میں اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ یہ حادثہ میرے گناہ کی سزا میں ہوا ہے۔ آپ نہ بھی آتے تب بھی بیگ آپ کو واپس کر دیتا۔ مجھے معاف کر دیں۔ انجم صاحب اور خدا سے دعا کریں کہ اس گناہ کی پاداش میں مجھے زندگی بھر لنگڑا کر نہ چلنا پڑے۔ میری ٹانگ ٹھیک ہو جائے۔"

"معافی خلوص دل سے مانگ رہے ہو تو ضرور معاف کر دے گا۔ میں بھی تمہیں معاف کرتا ہوں۔" انجم نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو تم نے کرامت کو بیگ چراتے دیکھ لیا تھا۔" سعید نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"پھر تم نے ہمارے خلاف بیان کیوں دیا۔ اس وقت تو تمہیں پرائز بانڈ کا حال نہیں معلوم تھا۔"

"آپ کو کرامت سے معلوم ہوا ہوگا کہ بیگ میں لے گیا ہوں۔" شمشاد نے جواب دینے کے بجائے سوال کر دیا۔

"ہاں۔"

"تو آپ بھی اسے جانتے تھے۔" شمشاد نے گہری سانس لی۔ "پھر تو اس نے آپ کو یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ میں نے بیگ واپس لیتے وقت اس سے

کیا کہا تھا۔"

"ہاں ہمیں معلوم ہے۔" سعید نے بتایا۔ "مگر تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"اصل وجہ وہ ہی تھی جو میں نے کرامت کو بتائی تھی۔" شمشاد نے منہ دوسری طرف پھیرتے ہوئے کہا۔ "اگر میں بتا دیتا کہ میں چور کو دیکھ چکا ہوں تو بیگ مجھے نہیں مل سکتا تھا اور میں۔۔۔ میں۔۔۔"

"اور تم سچ مچ تنویر کو پسند کرنے لگے تھے۔" سعید نے مسکراتے ہوئے انجم کی طرف دیکھا۔ "اور بیگ کے بہانے تجدید ملاقات کے خواہشمند تھے۔"

"جی ہاں۔" شمشاد نے بدستور دوسری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

انجم اور سعید کمرے سے باہر نکل آئے۔ انجم بے تحاشا خوش ہو رہا تھا اس نے بیگ کو اس طرح سینے سے لگایا ہوا تھا جیسے اس کی زندگی میں اس سے زیادہ محبوب کوئی اور چیز نہ رہی ہو۔

"قانون محمود صاحب کو شراب پی کر کار چلانے کے جرم میں خواہ کتنی کڑی سزا دے یا وہ اپنی دولت کے بل پر محض جرمانہ ادا کر کے چھوٹ جائیں۔" سعید نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مگر یہ حقیقت ہے کہ اگر وہ شراب پی کر اتنا نہ بہکتے کہ حادثہ کر بیٹھیں تو تم بیس ہزار کبھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔"

"سچ کہتے ہو۔" انجم نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کبھی کبھی برائی میں بھی اچھائی کا پہلو نکل آتا ہے۔"

ڈاکٹر ممتاز بدستور اسٹریچر پر خراٹے لے رہے تھے۔ انجم نے الماری والا کوٹ الماری میں رکھا اور دوسرا کوٹ کھونٹی پر لٹکا کر اسٹیتھسکوپ میز پر رکھتے ہوئے باہر نکل آیا۔ سعید باہر ہی اس کا انتظار کر رہا تھا۔ دونوں بڑے اطمینان سے چلتے ہوئے ہسپتال کے باہر آ گئے۔ رات کے بارہ بجنے والے ہو رہے تھے۔

"میرے خیال سے اب گھر کہاں جاؤ گے میرے ساتھ ہی چلو۔" انجم نے رائے دی۔ "آخر پہلے بھی تو ایک آدھ مرتبہ رہ چکے ہو۔"

"گھر والے پریشان ہوں گے۔" سعید نے جواب دیا۔ "بھائی صاحب کو پہلا خیال یہ ہی آئے گا کہ میں نرگس کے ساتھ فرار ہو گیا۔"

"کیوں۔ کیا بتا کر نہیں آئے تھے کہ کہاں جا رہے ہو۔" انجم نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"بتا کر تو آیا تھا مگر یہ ان کے نزدیک بہانہ بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر کیا ہوا تم سچ مچ ہی نرگس کے ساتھ تو نہیں بھاگ رہے ہو۔"

"میں یہ ہی سوچ رہا تھا۔" سعید نے بظاہر بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کہ یہ ظالم سماج دو محبت بھرے دلوں کو یوں تو کبھی ملنے نہیں دے گا۔ آج موقع ہے۔ کیونکہ بزرگوں کے اندیشے پورے کر دیے جائیں۔"

"گدھے ہیں آپ۔" انجم نے ایک چپت لگائی۔ "جب منگنی ہو چکی

ہے تو پھر کس بات کا خطرہ ہے۔"

"منگنی ہونے سے کچھ نہیں ہوتا بھائی۔ تم نے فلموں میں نہیں دیکھا کہ کمبخت دلہن شادی کے وقت بھی کوئی داؤں چلا کر بنی بنائی بات بگاڑ دیتا ہے۔"

"گھبراؤ نہیں تمہاری بات نہیں بگڑے گی۔"

"اس لیے کہ تمہاری بن چکی ہے۔"

"ابھی کہاں بن چکی ہے۔ شبانہ جو پھانسی کا پھندا بن کر گلے میں لٹک گئی ہے۔"

"خدا کرے کہ یہ پھانسی کا پھندا ابھی ویسا ہی ثابت ہو جیسا کہ تمہارے خسر صاحب نے اپنے گلے میں ڈالا تھا۔" سعید نے جواب دیا۔

"تو پھر یہ طے ہو گیا نا کہ تم میرے ساتھ چل رہے ہو۔" انجم نے بات بدل دی۔

"تم نہیں مانتے تو یونہی سہی۔ مگر ایک شرط پر۔"

"وہ کیا۔"

"بیس ہزار کے انعامی بانڈ کی بازیابی کی خوشی میں کم سے کم پانچ روپیہ کی گلاب جامنیں کھلاؤ گے۔"

"کیا ابھی۔"

"اور کب۔"

"اس وقت کوئی دکان کھلی ملے گی۔"

"کیوں نہیں ملے گی۔ صدر میں مٹھائی کی دکانیں رات کے ایک بجے تک کھلی رہتی ہیں۔" سعید نے جواب دیا۔ "یہاں سے ٹیکسی پکڑتے ہیں صدر ہوتے ہوئے اطمینان سے گھر چلیں گے۔ شبانہ بھابھی تمہارے انتظار میں یقیناً جاگ رہی ہوں گی۔ ان سے گرم گرم چائے بنوائیں گے اور۔۔۔"

"اور تمہیں اسی گرم گرم چائے سے غسل دے کر دفنا دیا جائے گا" انجم نے بات کاٹی۔ "تاکہ تم اسی طرح نرگس سے شادی کی حسرت لئے دنیا سے رخصت ہو جاؤ جس طرح میں تنویر سے شادی کی تمنا میں زندہ رہوں گا۔"

"محبت کا یہ یک طرفہ ٹریفک اپنی سمجھ میں نہیں آیا۔" سعید نے جواب دیا۔ "جہاں تک میرا خیال ہے تنویر تمہیں گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔"

"آپ کا خیال ہی کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہاں سے نرگس تک جب کہ مابدولت کے بارے میں شاعر نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں۔ غالب سریر خامہ نوائے سروش ہے"

"اگر معاملہ تنویر کا ہے تو یقین رکھو دوست غیب سے جوتے ہی آئیں گے انشاء اللہ۔"

اسی وقت ایک خالی ٹیکسی سامنے سے گذری۔ سعید نے اسے اشارہ سے روک لیا۔

"تشریف رکھیئے غالب صاحب۔" وہ پچھلی نشست کا دروازہ

کھولتے ہوئے بولا۔

"دیکھو دل سچ منہ سے نکلتا ہے۔" انجم نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "خدا نے چاہا تو مابدولت غالب ہی رہیں گے۔"

"ساتھ ساتھ اسد اللہ خاں بھی تو کہیئے۔" سعید نے ہنس کر کہا۔ "فاتحہ پڑھنے کی گنجائش نکل آئے گی۔"

"یہ بات ہے۔" انجم نے تیوری چڑھائی۔ "تو پھر صدر کا پروگرام غائب ڈرائیور گلشن کالونی چلو۔"

"حالانکہ فاتحہ پڑھنے کے لئے حلوائی کی دکان سے بہتر کوئی جگہ نہیں۔" سعید نے جواب دیا اور ڈرائیور کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "ڈرائیور صاحب آپ ان کی باتوں پر کان نہ دھریں۔ یہ بیچارے مرحوم ہو چکے ہیں۔ صدر ہوتے ہوئے گلشن کالونی چلیں۔"

ڈرائیور نے انجم کی طرف دیکھا اور اسے خاموش پا کر ٹیکسی صدر کی طرف موڑ دی۔

"ذرا بیگ کھول کر دیکھو اس میں اور کیا کیا مال رکھا ہے۔" سعید نے کہا۔

"اور کیا مال ہو سکتا ہے۔"

"بھئی میرا مطلب ہے ممکن ہے کوئی نوٹ بک وغیرہ نکل آئے جس میں تنویر صاحبہ کا پتہ وغیرہ لکھا ہو۔"

"واللہ۔" انجم اچھل پڑا۔ "کیا دور کی کوڑی لائے ہو۔ اس نے

جلدی سے بیگ کی زپ کھولی۔

"مانتے ہو نا استاد۔" سعید مسکرایا اور جھک کر بیگ میں دیکھنے کی کوشش کی۔

بیگ میں کتاب "عذرا کی واپسی" کے علاوہ ایک رومال، ایک پوڈر کمپکٹ۔ ایک سینٹ کی شیشی۔ ایک اچھے قسم کا بال پوائنٹ پین اور ایک اخبار کے علاوہ میڈیم سائز نوٹ بک بھی رکھی ہوئی تھی انجم نے نوٹ بک نکال لی۔

"کاش اس نوٹ بک میں پتہ نکل آئے۔" انجم نے اسے بیگ سے نکال کر ورق گردانی کرتے ہوئے کہا۔ مگر اسے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ وہ بالکل سادہ تھی۔ جیسے ابھی حال ہی میں خریدی گئی ہو۔

یہ تو بالکل سادہ ہے۔" اس نے کہا۔

"ذرا غور سے دیکھو میرے بھائی۔" سعید نے کہا۔ انجم ورق لوٹتے لوٹتے ایک دم رک گیا۔

"یہ کیا۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا۔ سعید نے دیکھا کہ کھلے ہوئے ورق پر نہایت اچھی تحریر میں خود انجم کا پتہ لکھا ہوا ہے۔

"یعنی کہ تمہارا پتہ۔" سعید نے حیرت سے کہا۔ "تنویر کے پاس کہاں سے آ گیا۔

اچانک انجم نے ایک قہقہہ لگایا۔

"اب بتاؤ استاد۔" اس نے سعید کی پیٹھ پر ہاتھ مارا۔ "کیا اب

بھی یہ ہی کہو گے کہ تنویر مجھے گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔"

"کیا مطلب۔"

"مطلب صاف ظاہر ہے۔" انجم نے بڑی مسرت سے کہا۔ "تنویر آج گلشن لائبریری گئی تھی۔ میرا پتہ اسے اخلاق صاحب سے ہی معلوم ہو سکتا تھا۔ اور اخلاق صاحب سے پتہ پوچھ کر نوٹ بک میں تحریر کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اسے بہر حال مجھ سے کچھ نہ کچھ دلچسپی ضرور ہے سمجھے کچھ یا نہیں۔"

"جی ہاں خواہ اس نے پتہ پولیس میں رپورٹ کرنے کے لئے ہی کیوں نہ پوچھا ہو۔" سعید نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"جل گئے۔" انجم نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ "مابدولت کی شخصیت ہی اتنی رعب دار ہے کہ کوئی لڑکی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی وہ تو میں نے تمہارا خیال کر کے چھوڑ دیا۔ ورنہ کافی دن تک نرگس بھی للچائی نظروں سے دیکھتی رہی تھی۔"

"اس نے مجھے بھی بتایا تھا۔" سعید نے سر ہلایا۔ "کہہ رہی تھی میرا بس نہیں چلتا کہ تمہارے دوست کو کچا کھا جاؤں۔ ہر لڑکی کا راستہ روک کر گھر کا پتہ پوچھنے لگتے ہیں۔ یہ بھی کوئی تہذیب ہے۔"

"اسی سے اندازہ کر لو کہ وہ مجھے کتنا چاہتی تھی۔ کسی دوسری لڑکی سے بات کرتے دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔" انجم نے نوٹ بک بند کر کے بیگ میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔ بہر حال تم کچھ بھی کہو

اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تنویر یقیناً مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

"ابھی دلچسپی کی بات کر رہے تھے اتنی دیر میں محبت بھی ہو گئی۔ یہ ہی حال رہا تو گھر پہنچتے پہنچتے شادی بھی کر لو گے۔" سعید نے کہا اور ٹیکسی کی کھڑکی سے جھانکتے ہوئے بولا۔ "بس ڈرائیور صاحب ذرا ایک منٹ کے لئے یہاں روک لینا۔"

سامنے ہی ایک مشہور مٹھائی کی دکان تھی۔ دروازہ کھولتے ہوئے سعید انجم کی طرف گھوما۔

"لاؤ۔ نکالو دس روپیے۔"

"دس روپیے۔ بات تو پانچ کی ہوئی تھی۔"

"جب دلچسپی بڑھ کر محبت بن سکتی ہے تو پانچ روپیے کیا دس روپیے نہیں بن سکتے۔"

"ضرور بن سکتے ہیں۔" انجم نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مگر میں تو تمہارے بقول مرحوم ہو چکا ہوں۔ مردے روپیے کا لین دین نہیں کیا کرتے۔"

"اچھی بات ہے۔" سعید نے بلا تکلف انجم کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

"ارے ارے یہ کیا کر رہے ہو۔"

"خاموش رہیے آپ مر چکے ہیں نہ بول سکتے ہیں نہ حرکت کر سکتے ہیں۔" سعید نے بٹوہ سے دس روپیے کا نوٹ نکالتے ہوئے جواب دیا۔

دوسرے پانچ منٹ میں دس روپیے کی گلاب جامنوں

کا ڈبہ اٹھائے سعید ٹیکسی میں داخل ہو رہا تھا۔

"ہاں ڈرائیور صاحب۔" اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا اب آپ گلشن کالونی چل سکتے ہیں۔"

گھر پہنچتے پہنچتے ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔ مگر ڈرائنگ روم میں جلتی ہوئی بجلی سے ظاہر تھا کہ غوری صاحب ابھی تک نہیں سوئے ہیں چنانچہ پہلی ہی گھنٹی پر دروازہ کھل گیا۔

"برخوردار یہ وقت ہے شریف لوگوں کے گھر آنے کا تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے دیکھتے ہی کہا۔

"سب آپ کی مہربانی ہے۔" انجم نے ناگواری سے جواب دیا۔

"اسلام علیکم آپ کے سر پر۔" سعید نے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم اسلام۔" غوری صاحب نے بدستور انجم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے جواب دیا۔ "یعنی میں نے تم سے کہا تھا کہ اتنی رات گئے تک باہر رہا کرو۔"

"آپ نے میری جو کتابیں گلشن لائبریری میں فروخت کی تھیں" انجم نے اندر قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ان میں میرے پرائز بانڈ رکھے ہوئے تھے۔"

"واقعی۔" غوری صاحب حیرت سے چلتے چلتے رک گئے۔

"برخوردار اگر یہ پہلے بتا دیتے تو میں کتابیں کیوں بیچتا تمہارے حساب میں۔ لاحول ولاقوۃ یعنی کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ دس روپیے میں دونوں کتابیں دے کر بھی گھاٹا ہی رہا تمہارے حساب میں۔ کتنے بانڈ تھے ان کے اندر۔"

دونوں کتابوں میں دس دس روپیے کا ایک بانڈ تھا۔" سعید نے بتایا۔

"گویا بیس روپیے۔" غوری صاحب نے منہ چلایا۔ بیس روپیے میں تو چار سیر گلاب جامنیں آسکتی تھیں تمہارے حساب میں۔"

"بیس روپیے نہیں قبلہ بیس ہزار روپیے۔" انجم تیزی سے بولا۔ "ان میں سے ایک بانڈ پر پہلا انعام نکل آیا تھا۔"

"برخوردار تم پہلے ادھر آؤ میرے کمرے میں۔" غوری صاحب انجم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں لے آئے۔ "اور اب اطمینان سے بیٹھ کر بتاؤ کہ یہ کیا چکر ہے تمہارے حساب میں۔"

سعید کی تمام تر کوشش یہ ہی تھی کہ غوری صاحب کی نظر مٹھائی کے ڈبے پر نہ پڑنے پائے۔ اب تک وہ بڑی فنکاری کے ساتھ ڈبہ اپنی بغل میں چھپائے ہوئے تھا۔ مگر دروازے کی بات اور تھی وہاں نسبتاً کم روشنی تھی۔ یہاں کمرے کا تیز بلب فوراً راز فاش کر سکتا تھا چنانچہ وہ کترا تا ہوا میز کی طرف بڑھ گیا اور ذرا جھک کر ہاتھ بڑھاتے ہوئے مٹھائی کا ڈبہ الماری کی آڑ میں رکھ دیا اور خود کرسی پر بیٹھ گیا۔

"قبلہ اس میں چکر کی تو کوئی بات نہیں ہے۔" انجم کہہ رہا تھا۔ اور اگر ہے تو محض آپ کی وجہ سے۔ میں نے ایک سال پیشتر دس دس روپیے کے دس بانڈ خرید کر ڈال دیئے تھے قسمت مہربان تھی اس مرتبہ انعام نکل آیا مگر شاید خدا کو اتنی بڑی خوشی کسی امتحان کے بغیر دینا مقصود نہیں تھی چنانچہ اس نے آپ کو میرے سر پر نازل کر دیا۔ بانڈ میں نے دس کتابوں کے کور میں چھپا کر رکھ دیئے تھے۔ آپ نے جو کتابیں اپنا شوق پورا کرنے کے لئے گلشن لائبریری میں جا کر بیچیں ان میں دو کتابیں یعنی عذرا اور عذرا کی واپسی ایسی تھیں جن کے کور میں بانڈ رکھے تھے اور چونکہ پریشانی اٹھانی تھی اس لئے وہ بانڈ جس پر انعام نکلا تھا ان ہی میں سے ایک کتاب میں رکھا ہوا تھا۔ میں گھر سے بھاگ کر لائبریری پہنچا تو پتہ چلا کہ وہ دونوں کتابیں اسی وقت لائبریری کے ایک ممبر کے نام جاری کر دی گئی تھیں۔ پھر کس مصیبت سے اس ممبر کو تلاش کر کے اس سے کتابیں واپس لی ہیں وہ ایک علیحدہ داستان ہے۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ بھاگ دوڑ رائگاں نہیں گئی اور آخرکار وہ کتاب مل گئی جس میں انعامی بانڈ رکھا تھا۔"

"وہ ہی تو میں پوچھ رہا ہوں تمہارے حساب میں کہ وہ کتاب کہاں ہے۔" غوری صاحب بولے۔ "تمہارے ہاتھ میں تو اس بیگ کے سوا اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔"

انھوں نے چشمہ ناک کے اوپر سرکاتے ہوئے غور سے دیکھا۔

"یا پھر اس وقت مارے خوشی کے کچھ مجھے ہی کم نظر آنے لگا ہے۔"

"کتاب اسی بیگ میں ہے۔" انجم نے جواب دیا۔

"تو ذرا نکال کر دکھاؤ نا۔ میں بھی تو دیکھوں کہ بیس ہزار کا انعامی بانڈ کیسا

ہوتا ہے۔

انجم نے کچھ ہچکچاہٹ کا اظہار کیا۔

"دکھا دو نا" سعید نے بھی سفارش کی۔ "تم تو یوں ہچکچا رہے ہو گویا میں یا غوری صاحب خدانخواستہ تمہارے ہاتھ سے بانڈ چھین کر بھاگ جائیں گے۔"

انجم نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بیگ اپنی گود میں رکھا اور اسکی زپ کھولنے لگا "یہ بیگ تو کسی لڑکی کا معلوم ہو رہا ہے۔"

"جی ہاں انجم بھائی کی ایک دوست لڑکی کا بیگ ہے" سعید نے جواب دیا۔

"کیا مطلب" غوری صاحب چونکے "برخوردار لڑکیوں سے بھی دوستی رکھتے ہیں۔"

مگر اس سوال کی تفصیل میں جانے کی نوبت نہیں آئی۔ انجم اتنی دیر میں کتاب نکال کر اس کا کور علیحدہ کر رہا تھا۔ سعید اور غوری صاحب ہمہ تن توجہ بنے ہوئے بڑے غور سے اس کے ہاتھوں کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہے تھے۔ انجم نے گوند سے چپکا ہوا موٹی کاغذ کا کور علیحدہ کیا۔ کور دہرا تھا۔ اس کی تہہ کھولی۔ مگر دوسرے لمحہ کور اس کی انگلیوں سے چھوٹ کر یوں نیچے گر پڑا جیسے ان میں پکڑنے کی سکت نہ رہی ہو۔ انجم ایک دم گھبرا کر کھڑے ہوتے ہوئے سعید کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے انجم بھائی۔" سعید بھی کھڑا ہو گیا۔

"بانڈ کور میں نہیں ہے۔" انجم نے منہ سے بھرائی ہوئی آواز میں نکلا۔

"کیا کہہ رہے ہو" سعید نے لپک کر فرش پر گرا ہوا کور اٹھایا۔ "ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔"

وہ کور کو یوں جھاڑ رہا تھا جیسے بانڈ کوئی سوئی تھی جو کور کے کسی گوشہ میں چبھی رہ گئی ہو۔

"اس کا صرف ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے۔" سعید نے کہا۔ "اور وہ یہ کہ شمشاد جھوٹ بول رہا تھا۔ اس نے کلب سے باہر آتے ہی بانڈ نکال لیا ہو گا۔"

"یہ سب آپ کے دم قدم کی برکت ہے۔" انجم ایکدم غوری صاحب کی طرف پلٹ پڑا۔ "جب سے آپ لوگ آئے ہیں مجھے سکون کا ایک لمحہ میسر نہیں ہوا ہے مگر اب میری برداشت کی حد ہو چکی ہے۔ آپ اس گھر سے جائیں نہ جائیں مگر میں اب آپ لوگوں کے ساتھ ایک چھت کے نیچے نہیں رہ سکتا۔ میں ابھی اور اسی وقت جا رہا ہوں۔"

وہ تیزی سے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

"یہ انجم سلمہ کیسی باتیں کر رہے ہیں برخوردار" غوری صاحب نے حیرت سے سعید کی طرف دیکھا۔ "ذرا تم ہی جا کر سمجھاؤ کہ ان کے کمرے کی چھت تو بالکل الگ ہے۔ اس پر بھی وہ چاہیں تو چھت پر جا کر رہ سکتے ہیں۔ موسم خاصا گرم ہو رہا ہے چھت پر بڑے آرام سے رہیں گے تمہارے حساب میں۔"

"انجم بھائی اس وقت بڑے غصہ میں گئے ہیں" سعید نے جواب دیا۔ "بس خدا خیر ہی کرے آپ کے سر پر۔ بہر حال میں کوشش کرتا ہوں۔"

سعید کمرے سے باہر نکلا۔ سامنے ہی انجم کا کمرہ تھا مگر قریب پہنچ کر اسکے قدم آپ ہی آپ رک گئے۔ اندر صرف انجم ہی نہیں بلکہ حسب معمول گھونگھٹ ڈالے ہوئے شہانہ بھی موجود تھی۔ سعید نے دروازے کی آڑ میں کھڑے ہوتے ہوئے اندر جھانکا۔

انجم الماری سے اپنے کپڑے نکال نکال کر سوٹ کیس میں ٹھونس رہا تھا۔

"میرا خیال ہے اگر آپ صبح بھی چلے جاتے تو کوئی ایسا خاص فرق تو واقع نہ ہوتا۔" شبانہ کہہ رہی تھی۔

"ہمدردی کا شکریہ۔" انجم نے بڑے طنزیہ لہجہ میں کہا۔ "مگر اب میں ایک منٹ یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔"

"یہ تو آپ غلط کہہ رہے ہیں۔" شبانہ سادگی سے بولی۔ "کم سے کم پانچ منٹ تو ہو گئے ہوں گے آپ کو سامان باندھتے ہوئے۔ اور ابھی لگن ہے دس پندرہ منٹ اور لگ جائیں۔"

"ٹھیک ہے جتنا جی چاہے مذاق اڑا لو۔ میں اسی قابل ہوں۔" انجم نے تلخی سے جواب دیا۔

"خیر اب آپ کسی قابل بھی ہوں میرے شوہر ہیں۔" شبانہ نے کہا۔ "میرا جینا مرنا آپ کے دم سے ہے۔ آپ جہاں بھی جائیں گے لامحالہ مجھے ساتھ جانا ہوگا۔"

"کیا۔" انجم کے ہاتھ سے قمیص چھوٹ کر گر پڑی۔ "آخر تم لوگ کیا چاہتے ہو میں مر جاؤں۔"

"خدا نہ کرے۔ مریں آپ کے دشمن۔"

"کان کھول کر سن لو۔ تم میرے ساتھ ہرگز نہیں جا سکتیں۔"

"اگر یہ آپ کا حکم ہے تو نہیں جاؤں گی مگر وعدہ کیجئے جلدی بلا لیں گے۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ لڑکیاں اپنے گھر ہی اچھی لگتی ہیں۔"

انجم اس قدر غصہ میں تھا کہ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے

کپڑے سوٹ کیس میں رکھتا رہا۔

"مگر اس وقت آپ جائیں گے کہاں۔" شبانہ خود ہی بولی۔

"پولیس اسٹیشن۔" انجم نے جل کر کہا۔ "اور وہاں جا کر رپورٹ لکھواؤں گا کہ تم لوگ زبردستی میرے گھر پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے ہو۔"

"لائے تو آپ ہی تھے۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو۔" انجم سوٹ کیس بند کر کے میز کی طرف بڑھا۔ "یہ میری ہی حماقت تھی۔ آئندہ کے لئے کان پکڑتا ہوں کہ کسی کے ساتھ نیکی نہیں کروں گا۔"

شبانہ بھی انجم کے ساتھ ہی میز کی طرف بڑھ گئی۔ انجم نے میز کی درازیں خالی کرنا شروع کر دیں۔ جب ایک طرف کی درازوں سے تمام چیزیں نکال چکا تو دوسری طرف متوجہ ہوا۔

"ان درازوں میں آپ کی کوئی چیز نہیں ہے۔" شبانہ نے ہاتھ رکھ کر اسے دراز کھولنے سے روک دیا۔ "یہاں میں نے اپنی کچھ چیزیں رکھ دی تھیں۔"

"کس کی اجازت سے۔" انجم نے زبردستی دراز کھولنا چاہی۔ "یہ کمرہ میرا ہے یہ میز میری ہے۔"

"اور میں آپ کی بیوی ہوں۔"

"اوہ۔ جہنم میں جاؤ۔" انجم نے ادھ کھلی ہوئی درازیں زور سے بند کر دیں۔ شبانہ کے دوپٹہ کا آنچل جس کا ایک سرا میز کو چھو رہا تھا دراز کے ساتھ ہی اندر بند ہو گیا۔

"اگر آپ مجھ سے اتنے ہی ناراض ہیں تو اپنے ساتھ لیجا کر چھوڑ آئیے۔" شبانہ نے جواب دیا۔ "مگر سوچ لیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر بعد میں خود ہی پچھتانے لگیں۔"

"خدا کے لئے تم یہاں سے چلی جاؤ۔" انجم نے شبانہ کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچا۔ "تمہاری موجودگی میں ..."

مگر باقی فقرہ انجم پورا نہیں کر سکا۔ ہاتھ پکڑ کر کھینچنے کے نتیجہ میں شبانہ تو دروازہ کی طرف کئی قدم آ گئی تھی مگر اس کا ڈوپٹہ دراز میں پھنسا رہ گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گھونگھٹ جو ایک لمحہ کے لئے اس کے چہرہ سے نہیں اٹھا تھا یکبارگی اٹھ گیا۔ اور پھر انجم ہی نہیں دروازے کی آڑ میں چھپا ہوا سعید بھی حیرت سے آنکھیں پھاڑے گھورتا ہی رہ گیا۔

انجم کے سامنے ڈوپٹہ سے بے نیاز تنویر کھڑی مسکرا رہی تھی۔

بڑی دیر تک انجم کوئی بات کرنے کے قابل نہیں ہو سکا۔

"میرا ہاتھ چھوڑ دیجئے۔" شبانہ نگاہیں نیچی کرتے ہوئے بولی۔ "آپ اپنے کمرے میں موجودگی پسند نہیں کرتے ہیں۔ ابو کو ساتھ لے کر آپ کے گھر سے چلی جاتی ہوں۔ آپ کو پولیس اسٹیشن میں رپورٹ لکھوانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

اس نے آگے قدم بڑھایا اور انجم جیسے ایکدم ہوش میں آ گیا۔

"تم... تنویر... شبانہ... یہ کیا اسرار ہے۔" اس نے شبانہ کو شانوں سے پکڑ لیا۔

"میرا نام تو تنویر شبانہ نہیں۔ شبانہ تنویر ہے۔ مگر اب آپ الٹا نام لیں یا سیدھا۔ میں تو جا رہی ہوں۔"

"شبانہ۔" انجم بیتابانہ ہاتھ کھولے ہوئے آگے بڑھا۔

"ونڈر فل۔" سعید نے دروازے کی آڑ سے نکل کر تالی بجائی۔ "بھابھی شبانہ زندہ باد۔"

انجم نے گھبرا کر سعید کی طرف دیکھا۔ شبانہ پھرتی سے دراز میں پھنسا ہوا ڈوپٹہ کھینچا اور ڈوپٹہ کے ساتھ ہی دراز بھی کھنچی چلی گئی۔ انجم کی تقدیر میں حیرت کا ایک دوسرا جھٹکا بھی لکھا تھا۔ دراز فرش پر گری تو ساتھ ہی ایک کاغذ بھی اڑتا ہوا نیچے آ رہا۔ شبانہ نے جھک کر اسے اٹھا لیا۔

"لیجئے۔" وہ انجم کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولی۔

"یہ کیا ہے۔"

"آپ کا بیس ہزار کا انعامی بانڈ۔" شبانہ نے جواب دیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے بڑبڑایا۔

"میں نے لائبریری سے نکلتے ہی انعامی بانڈ کور سے نکال لیا تھا۔" شبانہ نے بتلایا۔ "تجسس سے مجبور ہو کر بانڈ نکالنے کے لئے ہی تو ذرا رک گئی تھی کہ وہ بڑے میاں مل گئے۔ انھوں نے مجھے گھور کر دیکھا۔ میں ڈر گئی کہ آپ کی مہربانی سے وہ مجھے پاگل سمجھنے لگے ہیں کہیں پکڑنے کے لئے نہ دوڑ پڑیں۔ جلدی سے بس اسٹاپ کی طرف گھوم گئی۔ واپسی کی تیاری کر رہی تھی کہ آپ لوگ نظر آئے مجبوراً بس پر چڑھنا پڑا۔"

"مگر بھابھی گستاخی معاف۔" سعید نے کہا۔ "ہمارے غوری صاحب تو کتابوں کے بدلے مٹھائی کھا رہے تھے۔ آپ کے پاس لائبریری میں جمع کرانے کے لیے پچاس روپے کہاں سے آ گئے۔"

"مجھے ابو کی عادت معلوم ہے اس لئے میں ہمیشہ وقت بے وقت کے لئے سو دو سو روپے الگ رکھتی ہوں۔ اگر آپ کے دوست اسٹیشن پر نہ ملتے تب بھی کہیں کوئی پریشانی نہ ہوتی۔"

"جی ہاں اب تو آپ یہ ہی کہیں گی۔" انجم نے منہ پھلاتے ہوئے کہا۔

"ایک بات اور۔" سعید نے ہاتھ اٹھایا۔ "یہ بتایئے کہ۔۔۔"

"ذرا ٹھہرو۔" انجم بات کاٹ کر بولا۔ "شبانہ اور تنویر والی بات ابھی تک میرے حلق سے نہیں اتری ہے۔ گھر آنے کے بعد میں نے بیشک شبانہ کی صورت نہیں دیکھی مگر آواز تو سنتا رہا ہوں۔"

"رائٹ یو آر۔" سعید نے سر ہلا کر تائید کی۔ "میں بھی یہ ہی کہنے والا تھا۔"

"میں شبانہ کی حیثیت سے آپ کے سامنے منہ میں مٹھائی کی گولی رکھ کر بات کیا کرتی تھی۔" شبانہ نے جواب دیا۔ "ظاہر ہے آواز میں فرق پیدا ہو ہی جانا چاہیئے تھا۔"

"مٹھائی کی گولی۔" انجم نے گھبرا کر کہا۔

"گھبرایئے نہیں۔ یہ میری عادت نہیں ہے۔" شبانہ مسکرائی۔

"اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ مجھے دفتر میں فون۔۔۔" انجم کہتے کہتے رک گیا۔

"جی ہاں میں ہی تھی۔" شبانہ کچھ شرما کر بولی۔

"مگر کیوں۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" سعید نے کہا اور منہ بنا کر شبانہ کی طرف دیکھا۔ "معاف کیجیے گا بھابھی آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں۔"

وہ پھر انجم سے مخاطب ہوا۔

"ہاں تو ایک مرتبہ پھر لاحول ولاقوۃ۔ بالکل گدھے ہی رہے۔ ظاہر ہے یہ سوال میرے سامنے پوچھنے کا نہیں۔ ویسے جواب میں دے سکتا ہوں۔ میرا خیال ہے یہ کسی قسم کا امتحان تھا۔ اب یہ بھابھی ہی بتائیں گی تم پاس ہوئے یا فیل۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" شبانہ نے کچھ شوخی کچھ حجاب سے انجم کی طرف دیکھا "اچھا۔" انجم نے سر کھجایا۔ "تو آں محترمہ میرا امتحان لے رہی تھیں۔" وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"پلیز۔" سعید نے نعرہ لگایا۔ "آپ لوگ ایک منٹ اسی پوز میں کھڑے رہیں میں بھاگ کر مٹھائی کا ڈبہ لے آؤں۔ بخدا آج تک دنیا میں کسی نے اتنے مناسب ترین موقع پر گلاب جامنیں نہیں کھائی ہوں گی۔"

وہ بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ مٹھائی کا ڈبہ بدستور الماری کی آڑ میں رکھا تھا۔ اس نے غوری صاحب کی طرف توجہ دیئے بغیر ڈبہ اٹھایا اور پلٹ پڑا۔

انجم اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے شبانہ کی طرف لپکا۔ شبانہ ایک مترنم قہقہہ لگاتی ہوئی اس کی گرفت سے بچکر دروازے کی طرف بھاگی۔ ادھر سعید کمرے میں داخل ہوا اور ادھر شبانہ بہار کے معطر جھونکے کی طرح کمرے سے نکل گئی۔ انجم اس کے پیچھے جا رہا تھا مگر سعید کو دیکھ کر رک گیا۔

"میں نے تو مذاق میں کہا تھا مگر تم نے تو سچ مچ گھر پہنچتے پہنچتے تنویر بھابھی سے شادی کر لی۔" سعید نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ وہ قبول دعا کی گھڑی ہے تو لگے ہاتھوں اپنے اور نرگس کے بیاہ کی دعا بھی مانگ لیتا۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ہیں بڑے خوش نصیب۔"

اس نے مٹھائی کا ڈبہ میز پر رکھ کر کھولنا شروع کیا۔

"مگر یار میری سمجھ میں ابتک یہ راز نہیں آیا۔" انجم واقعی حیران تھا۔

"گلاب جامن کھا کر سوچو جلدی سمجھ میں آجائے گا۔" سعید نے جواب دیا۔ "اطبائے شیریں نی کی رائے میں ذہن کی جلا اور بقا کے لئے تبت ٹوتھ پیسٹ... لاحول ولاقوۃ یار یہ کمرشیل پروگرام روزمرہ کی گفتگو کا بھی ستیاناس کر رہے ہیں۔ میرا مطلب تھا کہ گلاب جامن... مگر... یہ کیا۔"

انجم نے آگے بڑھ کر ڈبے میں جھانکا۔ سعید کی حیرت بے جا نہیں تھی۔ جس ڈبہ میں دس روپے کی تر و تازہ گلاب جامنیں ہونا چاہیئے تھیں وہاں پتھر اور بجری بھری ہوئی تھی۔ انجم نے ایک بلند قہقہہ لگایا۔

"میں سمجھ گیا۔" سعید نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"بغیر گلاب جامنیں کھائے سمجھ گئے۔" انجم ہنستے ہوئے بولا۔

"یار خدا کے لئے تم اپنے خسر صاحب کا کوئی علاج کراؤ ورنہ یہ تو ہمارا مٹھائی کھانا حرام کریں گے۔"

"جب تمہیں معلوم تھا تو تم نے ڈبہ اس کمرے میں چھوڑا ہی کیوں۔"

"جی ہاں اب تم انکی طرفداری نہیں کرو گے تو کون کرے گا۔" سعید نے منہ بسورا۔ "مگر دس روپے کی گلاب جامنیں میں بڑے میاں کو اکیلے ہضم نہیں کرنے دوں گا۔ ذرا آؤ تو سہی۔"

وہ انجم کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا غوری صاحب کے کمرے میں لے گیا۔ کمرے میں ایک کرسی پر غوری صاحب اور دوسری کرسی پر شبانہ بیٹھی تھی۔ گلاب جامنوں کا ڈبہ کھلا ہوا دونوں کے درمیان میز پر رکھا ہوا تھا۔

"آؤ برخوردار تم بھی کھاؤ۔" غوری صاحب ایک گلاب جامن اٹھا کر منہ میں رکھتے

ہوئے بولے۔ "واللہ بڑی لذیذ گلاب جامنیں لائے ہو تمہارے حساب میں۔"

"میں تو آپ سے لڑنے آیا تھا" سعید نے جواب دیا۔ "مگر اس وقت لڑنے کا موقع نہیں ہے آپ کے سر پر۔"

سعید نے آگے بڑھ کر ایک ہی ہاتھ میں آٹھ دس گلاب جامنیں اٹھالیں۔

"نہیں نہیں تم بیشک لڑو۔ میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں" غوری صاحب نے کہا۔ "مگر میں جواب گلاب جامنیں کھانے کے بعد ہی دوں گا تمہارے حساب میں۔"

"آپ ہی کے داماد کا دوست ہوں قبلہ" سعید جلدی جلدی منہ چلاتے ہوئے بولا۔ "گلاب جامنیں سامنے رکھی ہوں تو لڑنا حرام سمجھتا ہوں آپ کے سر پر۔ مگر یہ ماننا پڑیگا کہ مٹھائی کی خوشبو سونگھنے میں آپ کا جواب نہیں۔"

"برخوردار بغل کے پیچھے ڈبہ چھپا کر اگر تم یہ سمجھ رہے تھے کہ میں نے دیکھا نہیں ہوگا تو یہ تمہاری حماقت تھی۔ میں نے دروازہ کھولنے سے پہلے ہی خوشبو سونگھ لی تھی۔"

"جی ہاں علامہ اقبال نے شاید اسی موقع کے لئے کہا ہے۔" انجم بھی ہاتھ صاف کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں تھا۔ "کہ تو بچا بچا کے نہ رکھ انہیں تیری جامنیں ہیں وہ جامنیں کہ جو منہ میں ہوں تو عزیز تر ہیں نگاہِ شیریں سازیں۔"

"میرا تو خیال تھا برخوردار کہ تم اتنے غصہ میں ہو کہ تمہارے حصہ کی گلاب جامنیں بھی مجھے ہی کھانا پڑیں گی۔" غوری صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر تم تو میرے حصہ کی بھی صاف کئے جا رہے ہو۔"

"دراصل یہ اپنا غصہ گلاب جامنوں پر ہی تو اتار رہے ہیں۔" سعید بولا۔

"اور جانے کے پروگرام کا کیا رہا تمہارے حساب میں۔"

"جب غصہ ہی اتر گیا تو اب کون جاتا ہے آپ کے سر پر۔" سعید نے جواب دیا۔ "ویسے بھی جس بات پر غصہ آیا تھا وہ تو ختم ہی ہو گئی۔"

"کیا مطلب تمہارے حساب میں۔"

"وہ بیس ہزار والا انعامی بانڈ مل گیا نا آپ کے سر پر۔"

"اچھا کہاں ملا۔"

"میں نے بتایا نا کہ آپ کے سر پر۔"

"برخوردار اگر یہ تمہارا تکیہ کلام نہ ہوتا تو میں ابھی اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگتا۔" غوری صاحب گلاب جامنوں کے خالی ڈبہ میں جھانکتے ہوئے بولے۔ "بات ذرا تفصیل سے کیا کرو۔"

"بات میں بتاتی ہوں ابو۔" شبانہ نے شوخ نظروں سے انجم کی طرف دیکھا۔ "میں ان کے کمرے میں صفائی کرتے ہوئے اس بات سے واقف ہو گئی تھی کہ انہوں نے پرائز بانڈ کتابوں کے کور میں چھپا رکھے ہیں۔ صبح کمرے میں اخبار پہنچانے سے پہلے میں نے خود بھی ایک نظر دیکھ لیا تھا اور انعامی بانڈ کی قرعہ اندازی دیکھ کر سمجھ گئی کہ اس رات سب سے پہلے اخبار پہنچانے کی تاکید کیوں کی گئی ہے۔ پھر جب ان دو کتابوں کے بارے میں ان کی بیتابی دیکھی تو یہ اندازہ بھی کر لیا کہ نہ صرف کوئی بڑا انعام نکل آیا ہے بلکہ وہ ان دو کتابوں میں سے کسی میں ہے۔ آج شام یہ معلوم ہوتے ہی کہ کتابیں گلشن لائبریری پہنچ گئی ہیں میں ان کے نکلنے سے پہلے گھر سے نکل گئی۔ لائبریری سے دونوں کتابیں لیں۔ اخبار سے قرعہ اندازی کے نتائج دیکھے اور بیس ہزار انعام والا بانڈ کتاب کے کور سے نکال لیا۔"

"آپ کے بیگ میں اخبار دیکھ کر تعجب تو مجھے بھی ہوا تھا آپ کے سر پر" سعید بولا "اگر میں کوئی سراغ رساں ہوتا تو فوراً سمجھ جاتا کہ بانڈ یقیناً آپ نے نکال لیا ہے۔"

"ایک بات تو بتایئے غوری صاحب۔" انجم نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ "وہاں کسٹم پوسٹ پر ٹرین میں کیا کوئی اور لڑکی شبانہ کی جگہ آکر بیٹھ گئی تھی۔"

"ارے وہ۔" غوری صاحب نے یاد کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں بھئی بیٹھ تو گئی تھی تمہارے حساب میں۔ مگر تمہیں کیسے پتہ چلا برخوردار۔"

"قبلہ اس لڑکی نے ہی تو سارا معاملہ گڑبڑ کر دیا تھا" سعید بولا۔ "وہ لڑکی بھابھی شبانہ کی جگہ آکر بیٹھ گئی اور انجم بھائی یہ سمجھے کہ بھابھی شبانہ بیٹھی ہیں آپ کے سر پر۔ چنانچہ اس کی صورت دیکھ کر یہ بھابھی کو بدصورت خیال کرنے لگے تھے۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ ساری غلط فہمی دور ہو گئی۔ اور اب میرا خیال ہے کہ یہ اکیلے جانے کے بجائے بھابھی شبانہ کو بھی ساتھ لیکر ہنی مون منانے جائیں گے آپ کے سر پر۔"

"برخوردار مجھے احساس ہوتا جا رہا ہے کہ تمہارا یہ تکیہ کلام نہایت واہیات ہے تمہارے حساب میں۔" غوری صاحب نے سعید کو گھورتے ہوئے کہا۔ "کوئی دوسرا آدمی سنے تو اس جملے سے کیا معنے نکالے گا۔ یہی نا کہ برخوردار انجم سلمہٗ اب ہنی مون منانے میرے سر پر جائیں گے تمہارے حساب میں۔ لاحول ولاقوۃ۔ تمہیں اپنا تکیہ کلام بدلنا پڑے گا برخوردار۔"

"مجھے معلوم ہے کہ یہ سعید بھائی نے محض ابو کو ستانے کے لئے شرارت میں کہنا شروع کیا تھا۔" شبانہ ہنستے ہوئے بولی۔ "اس لئے بدلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ اسے بالکل ترک کر سکتے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے شبانہ بھابھی مگر اب عادت جو پڑ گئی ہے آپ کے سر پر۔" سعید نے جواب دیا۔ "ویسے میں ایک شرط پر چھوڑنے کا وعدہ کر سکتا ہوں۔"

"وہ کیا شرط ہے برخوردار تمہارے حساب میں۔"

"یہ کہ آپ تمہارے حساب میں کہنا چھوڑ دیں۔"

"یہ بھی کوئی شرط ہے تمہارے حساب میں۔"

"جی ہاں بس یہ ہی شرط ہے آپ کے سر پر۔"

"لاحول ولاقوۃ میں اپنا تکیہ کلام کیسے چھوڑ سکتا ہوں تمہارے حساب میں۔"

"اور میں اپنا تکیہ کلام کیسے چھوڑ سکتا ہوں آپ کے سر پر۔"

"برخوردار بڑھاپے میں کوئی عادت کہاں چھوٹتی ہے تمہارے حساب میں۔"

"میں بھی یہ ہی کہتے کہتے ایک دن بوڑھا ہو جاؤں گا آپ کے سر پر۔"

"استغفراللہ بڑے ضدی ہو تمہارے حساب میں۔"

"جی ہاں وہ تو ہوں آپ کے سر پر۔"

پتہ نہیں تمہارے حساب میں اور آپ کے سر پر کے اس جھگڑے کا انجام کیا ہوا کیونکہ انجم اور شبانہ تو دو تین جملوں کے بعد ہی چپ چاپ کمرے سے کھسک گئے تھے اور اپنے کمرے میں ایک نئی زندگی کے عہد و پیماں استوار کرتے ہوئے انہیں اس بات کا ہوش ہی کہاں تھا کہ وہ ایکدوسرے کے حساب میں ہیں یا ایکدوسرے کے سر پر۔ البتہ پڑوس کے میر صاحب کا کہنا ہے کہ غوری صاحب کے کمرے سے صبح تک تمہارے حساب میں اور آپ کے سر پر کی آوازیں بلند ہوتی رہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(ختم شد)